367

مدیرِ اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
حفظہ اللہ
مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدث

اکتوبر ۲۰۱۴ء

مجلس التحقیق الاسلامی

۴ خلافتِ راشدہ اور فلاح عامہ
۳۶ قاعد امام کی امامت میں نماز
۵۶ مروجہ حلالہ ملعونہ کا قرآن سے جواز؟
۶۹ مولانا وحید الدین خاں کے افکار و نظریات

ملتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی حفظہ اللہ

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

جلد ۴۶ | اکتوبر ۲۰۱۴ء / محرم الحرام ۱۴۳۶ھ | عدد ۴

مجلس اِدارت

ڈاکٹر حافظ انس مدنی
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی
حافظ عمران الٰہی
محمد کامران طاہر

فہرست مضامین

فکر و نظر
خلافتِ راشدہ اور فلاحِ عامہ — قاری روح اللہ مدنی — ۴

فقہ واجتہاد
قاعد امام کی امامت میں نماز — عتیق امجد — ۳۶

تحقیق و تنقید
مروجہ حلالہ ملعونہ کا قرآن سے جواز؟ — حافظ صلاح الدین یوسف — ۵۶
مولانا وحید الدین خاں کے افکار و نظریات — ڈاکٹر حافظ محمد زبیر — ۶۹

عالم اسلام
دولتِ فاطمیہ کی واپسی کی کوششیں — مولانا زاہد الراشدی — ۸۱

انتظام و ترسیل
محمد اصغر
03054600861

زر سالانہ =/۳۰۰ روپے
فی شمارہ =/ ۶۰ روپے

بیرون ملک
زر سالانہ =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/۴ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

042-35866476
35866396

Email:
IRC99J@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

Designing by Print Care. 0333-4091017 / 0315-4590351

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث وتحقیق کا حامی ہے، ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافتِ راشدہ اور فلاحِ عامّہ

پاکستان کو گذشتہ دنوں اپنی تاریخ کے بدترین سیلاب کا سامنا کرنا پڑا، بڑے پیمانے پر ہلاکت وبربادی ہوئی اور بستیوں کی بستیاں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ انہی دنوں شمالی وزیرستان میں اپنوں کی مسلط کردہ جنگ کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر اہل اسلام کو اپنے گھر چھوڑ کر دربدر ٹھوکریں کھانا پڑیں۔ ان اہم قومی مراحل پر ہمارے حکمرانوں کا کیا کردار رہا، اور اُنہوں نے اپنے فرائض کہاں تک نبھائے؟ ایسے مواقع پر اسلامی تاریخ اور خلافتِ راشدہ سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ ماضی میں جب مسلم اقوام اس طرح قدرتی آفات اور مصائب کا شکار ہوئیں تو ان کے حکام کس طرح اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برا ہوا کرتے؟ اس سلسلے میں ایک نمایاں مثال دورِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں حجاز کو پیش آنے والے بدترین قحط کی ہے جو ۱۸ ہجری میں رونما ہوا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ذات بطورِ حکمران و منتظم مسلم حکام کے لیے عظیم رہنما اور قائد کی ہے جن کی بارگاہِ نبوت میں خاص تربیت ہوئی تھی۔ ذیل میں اس واقعہ کی ضروری تفصیلات اور اس میں چھپے ہوئے قومی اور عوامی اسباق قارئین کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخواہ کے سابق وزیر جناب قاری روح اللہ مدنی نے اس حوالے سے ایک اہم تحقیق کئی سال قبل اپنی کتاب مَعالم الریادة في مآلم الرّمادة میں پیش کی تھی جسے راقم نے حسبِ ضرورت اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ح م

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حسب ونسب دنیا کو معلوم ہے۔ خاندانی شرافت اور سفارت کا اعتراف سب عرب کیا کرتے تھے۔ جرات، شجاعت اور بے باکی بے مثل تھی۔ علمیت اس درجے کی تھی کہ تائید میں بار بار وحی اُتری۔ خلفاے راشدین میں سب سے زیادہ فتوحات اور سب سے زیادہ اصلاحات انہی کے حصے میں آئیں۔ اقتدار نے ان کی قدم بوسی کی لیکن اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے کبھی تگ ودو میں ملوث نہیں ہوئے۔

بائیس لاکھ مربع میل ریاست کے بلاشرکتِ غیرے حکمران تھے لیکن غرور و تکبر کا نام ونشان نہ تھا۔ سر کے نیچے پتھر رکھ زمین پر سونا شاید ان کے بعد کسی حکمران کو نصیب نہیں ہو سکا۔ غلام کی موجودگی میں بوریاں اپنی پیٹھ پر لادنا انہی کا خاصّہ ہے۔ فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہوئے تو خود پیدل اور غلام اونٹ پر سوار، یہ منظر شاید دنیا پھر نہ دیکھ سکے۔ عدل وانصاف اتنا لاجواب کہ نہ اپنے بیٹے کو معاف کیا، نہ گورنر رفاتح مصر کے بیٹے کو۔ احتساب کا یہ عالم کہ برسرِ منبر عام لوگ احتساب کر سکتے ہیں۔ تواضع کی یہ کیفیت کہ راہ چلتے ہوئے ایک بوڑھی خاتون نے روکا تو گھنٹوں کھڑے رہے۔ ایک خاتون نے دلیل کی قوت سے بات کی تو ریاست کی قوت بے بس ہو گئی۔ ان کی اصلاحات اور اولیات پر کوئی لکھنے بیٹھے تو مواد کی کمی نہیں۔ دنیا کو انتظام وانصرام کے معانی ومعارف سے عملاً روشناس کرانے کے لیے پوری انسانیت ان کے احسان کی مرہون رہے گی۔

دورِ عمرؓ میں آنے والی خشک سالی

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے دوران آنے والی خشک سالی کو 'رمادۃ' کہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جزیرہ نمائے عرب میں پورے ۹/ مہینے تک مینہ کے نام سے ایک بوند نہ پڑی۔ ادھر آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے جس سے زمین کی سطح اور اس کی ساری روئیدگی جل گئی اور وہ سیاہ مٹی کا ڈھیر ہو کے رہ گئی۔ جب ہوا چلتی ساری فضا گرد آلود ہو جاتی۔ اس لیے لوگوں میں اس برس کا نام ہی 'عام الرمادۃ' یعنی راکھ والا برس' پڑ گیا۔ بارش کے نہ ہونے آندھیوں کے چلنے اور کھیتوں کے جل جانے سے قحط کی صورت پیدا ہو گئی جس نے انسان اور جانوروں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ فنا ہو گئے اور جو بچ رہے اُنہیں سوکھا لگ گیا۔ یہ قحط پورے حجاز پر پھیلا ہوا تھا، جیسے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

ا علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق (ص ۲۳۳)، زین الدین عمر بن الوردی نے تتمة المختصر في أخبار البشر (ج ۱/ ص ۲۲۵)، علی طنطاوی نے اخبار عمر (ص ۱۰۸) اور ہمارے شیخ حضرت الاستاذ محمد السید الوکیل نے جولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين (ص ۳۶۵) اور رزق اللہ منقریوس الصرفی نے تاریخ دول الاسلام (ج ۱/ ص ۳۲) میں الرمادۃ کو ۱۸ھ کے واقعات میں شمار کیا ہے۔

كان في عام الرمادة جدب عمّ أرض الحجاز [1]

بقول محمد حسین ہیکل: یہ وہ قحط تھا جس نے ملک عرب کو جنوب کے آخری کناروں سے لے کر شمال کی آخری سرحدوں تک گھیر لیا تھا۔ [2] ابن سعد کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ شام و عراق کی سرحدوں اور تہامہ تک پھیلا ہوا تھا۔ [3] یمن بھی اس کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ [4]

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس قحط کے باعث بھیڑ بکریوں کے ریوڑ فنا ہو گئے اور جو بچ رہے اُنہیں سوکھا لگ گیا، یہاں تک کہ ایک شخص بھیڑ کو ذبح کرتا اور اس کی بدہیئتی دیکھ کر بھوک اور مصیبت کے باوجود اسے چھوڑ کے کھڑا ہو جاتا۔ بازار سونے پڑے تھے اور ان میں خرید و فروخت کے لیے کچھ نہ تھا۔ لوگوں کے ہاتھ میں روپے تھے مگر ان کی کوئی قیمت نہ تھی اس لیے کہ بدلے میں کوئی چیز ایسی نہ ملتی تھی جس سے وہ پیٹ کی آگ بجھا سکتے۔ مصیبت طویل اور ابتلا شدید ہو گئی۔ لوگ جنگلی چوہوں کے بل کھودنے لگے کہ جو اس میں ملے، نکال کے کھا لیں۔ قحط کی ابتدا میں مدینہ والوں کی حالت دوسروں سے بہتر تھی جس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں مدنیت کا شعور پیدا ہو چکا تھا اور مدینہ والوں نے آسودگی کے زمانے میں ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ فراہم کر لیا تھا جو متمدن لوگوں کی عادت ہے۔ چنانچہ قحط کا آغاز ہوا تو وہ اس ذخیرے کے سہارے زندگی بسر کرنے لگے لیکن بدویوں کے پاس کوئی اندوختہ نہ تھا۔ اس لیے وہ شروع ہی میں بھوکے مرنے لگے اور وہ دوڑ دوڑ کر مدینہ پہنچے کہ امیر المؤمنین سے فریاد کر کے اپنے اہل و عیال کی زندگی کے لیے روٹی کا ٹکڑا مانگیں۔ ہوتے ہوتے ان پناہ گیروں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ مدینہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ اب مدینہ والے بھی آزمائش میں پڑ گئے اور بدویوں کی طرح بھوک اور قحط نے ان پر بھی وار کر دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بیماری پھوٹ نکلی اور بہت سے لوگ اس کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مریضوں کی عیادت کو جاتے اور جب کوئی مر جاتا تو اس کے لیے کفن بھیجتے۔ [5] ایک مرتبہ تو بیک وقت دس آدمیوں کی نماز جنازہ پڑھائی۔

---

۱ البدایۃ والنہایۃ از حافظ ابن کثیر: ۱۰۳/۱
۲ عمر فاروق اعظم: ص ۳۳۷
۳ طبقات ابن سعد: ۳۱۱/۳
۴ اخبار عمر: ص ۱۱۷
۵ عمر فاروق اعظم: ص ۳۴۲

magazine.mohaddis.com

قحط کی شدت کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ بقول طبری

جعلت الوحش تأوي إلى الإنس

یعنی "یہاں تک کہ وحشی جانور انسانوں کے پاس آنے لگے[1] (کہ شاید کچھ مل جائے)۔"

انتظامات اور فاروقی کردار

اس بحران سے نمٹنے کے لیے امیر المؤمنین نے کیا طریقہ اختیار کیا، کیسے انتظام کیا اور کونسے اقدامات اُٹھائے۔ بعض اقدامات تو خالصۃً انتظامی نوعیت کے تھے اور بعض امیر المؤمنین کے ذاتی کردار سے متعلق تھے لیکن جو چیز ان میں مشترک ہے، وہ ہے امیر المؤمنین کی حیرت انگیز اور عدیم المثال انتظامی صلاحیت، اپنی رعیت کے ساتھ پر خلوص محبت، خیر خواہی اور للّٰہیت۔ تو آیئے ان کے اقدامات پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں...

۱۔ بیت المال سے امداد

جیسے جیسے قحط میں شدت پیدا ہوتی گئی، لوگوں کی قوت جواب دیتی گئی۔ جو کچھ ان کے پاس محفوظ تھا، اسے کھا گئے حتیٰ کہ کچھ بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ آس پاس کے لوگ امیر المؤمنین کے پاس دار الخلافہ مدینہ منورہ آنے لگے۔ مدینہ منورہ میں بیت المال میں جو کچھ موجود تھا، امیر المؤمنین نے وہ سب کچھ تقسیم کر دیا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فأنفق فيهم من حواصل بيت المال مما فيه من الأطعمة والأموال حتى أنفده"[2]

"امیر المؤمنین کے پاس بیت المال میں جو کچھ غذائی مواد یا مال موجود تھا، وہ ان میں خرچ کر ڈالا حتیٰ کہ اسے ختم کر ڈالا۔"

۲۔ خود احتسابی

بلاشبہ 'رمادۃ' ایک بڑی آزمائش تھی۔ اس کے ظاہری اسباب کو موضوعِ سخن بنانے کی بجائے امیر المؤمنین نے مناسب سمجھا کہ اپنے اعمال کا جائزہ لیا جائے اور قوم کو بھی اس طرف متوجہ کیا جائے۔ اولیاء اللہ کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آزمائش کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ

---

۱ تاریخ طبری: ۴/۹۸

۲ البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اپنے تعلق کا جائزہ لیتے ہیں کہ کہیں کسی لغزش کے نتیجے میں تو یہ مصیبت نازل نہیں ہوئی؟

ابن سعد، سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں:

خطب عمر بن الخطّاب الناس عام الرمادة فقال: أيّها النّاس اتّقوا الله في أنفسكم وفيما غاب عن الناس من أمركم، فقد ابتُليت بكم وابتُليتُم بي. فما أدري ألسُّخْطةُ عليّ دونكم أو عليكم دوني؟ أو قد عمّتْني وعمّتكم، فهلمّوا فلندْعُ الله يُصْلِحْ قلوبنا وأن يرحمنا وأن يرفع عنّا المحل، قال فرُئي عمر يومئذٍ رافعًا يديه يدعو الله، ودعا الناس وبكىٰ وبكى الناس مَليًّا، ثمّ نزل[1]

"رمادۃ کے زمانے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگوں اپنے ربّ سے ڈرو، اپنے نفس کے بارے میں اور اپنے ان اعمال کے بارے میں جو لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔ یقیناً تمہاری وجہ سے میری اور میری وجہ سے تمہاری آزمائش ہو رہی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی ناراضگی صرف میرے اوپر ہے یا صرف تمہارے اوپر اور یا عمومی طور پر میرے اوپر ہے اور تمہارے اوپر بھی۔ آیئے بارگاہِ الٰہی میں دعا کریں کہ وہ ہمارے دلوں کی اصلاح فرمائے، ہم پر رحم فرمائے اور ہم سے قحط وخشک سالی کو اُٹھالے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس روز بارگاہِ الٰہی میں دونوں ہاتھ اُٹھائے ہوئے دعا مانگتے دیکھا گیا اور لوگوں نے بھی دعا مانگی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کافی دیر تک خود بھی روئے اور لوگ بھی رو دیے۔ پھر منبر سے اُترے۔"

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا:

سمعت عمر يقول: أيها الناس إني أخشى أن تكون سخطة، عمّتنا جميعا فأعتبوا ربكم وانزعوا وتوبوا إليه واحدا ثوا خيرًا[2]

"میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگو مجھے ڈر ہے کہ (یہ قحط) ہم سب پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار ہے۔ اس لیے اپنے رب کو راضی کرلو، اس کی ناراضگی سے ہاتھ کھینچ لو۔ اس کی بارگاہ میں توبہ کرلو اور اچھے اعمال کرکے دکھاؤ۔"

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۲۲

۲ ایضاً

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

یہ ہے ایک ولی اللہ کا کردار کہ مصیبت کی گھڑی میں شکوے شکایت کی بجائے خود احتسابی سے کام لیا، قوم کو بھی خود احتسابی کی طرف متوجہ کیا۔

۳۔ توجہ الی اللہ

خود احتسابی کے ساتھ ساتھ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معمول سے بڑھ کر توجہ الی اللہ کا اہتمام فرمایا۔ عبد اللہ بن ساعدہ کہتے ہیں کہ

رأيت عمر إذا صلّى المغرب نادى: "أيها الناس استغفروا ربكم ثم توبوا إليه وسلوه من فضله واستسقوا سقيا رحمة لا سقيا عذاب." فلم يزل كذلك حتى فرج الله ذلك[1]

"میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مغرب کی نماز پڑھ لیتے تو لوگوں کو مخاطب کرتے، فرماتے: لوگو اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، اس کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ یہی آپ کی عادت رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرمادی۔"

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان عمر بن الخطاب أحدث في عام الرمادة أمرًا ما كان يفعله ... وإني لأسمعه ليلة في السحر وهو يقول: "اللهم لا تجعل هلاك أمة محمد علىٰ يدي"[2]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے 'رمادۃ' کے زمانے میں ایسا طریقہ اپنایا جو وہ اس سے پہلے نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر مسجد سے نکل کر اپنے گھر تشریف لاتے اور مسلسل نماز پڑھتے۔ پھر رات کے آخری پہر نکلتے، گلیوں کا چکر لگاتے۔ میں نے بارہا رات کو سحر کے وقت اُن کو کہتے ہوئے سنا: الٰہی! امتِ محمد کو میرے ہاتھوں ہلاک نہ ہونے دے۔"

۴۔ شبینہ گشت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مبارک عادتوں میں سے ایک عادت یہ تھی کہ رعیت کے

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۲۰

۲ ایضاً: ۳/ ۳۱۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے رات کے وقت خود چل کر جائزہ لیا کرتے تھے اور جس کسی کو امداد کا مستحق خیال کرتے، رات کی تاریکی میں ہی ضرور مدد فراہم کر دیتے۔ یہ عادت رمادہ کے زمانے میں بھی جاری رہی بلکہ رمادہ کے زمانے میں وہ معاشرتی تبدیلیوں پر بھی نظر رکھ رہے تھے اور ان کا تجزیہ بھی کیا کرتے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ رمادہ کے سال اُنہوں نے رات کے وقت مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کیا تو کسی کو ہنستے نہیں پایا، نہ ہی لوگوں کو اپنے گھروں میں حسبِ عادت گفتگو کرتے سنا اور نہ کسی مانگنے والے کو مانگتے دیکھا۔ یہ صورت حال چونکہ خلافِ معمول تھی اس لیے اُنہوں نے فوراً محسوس کیا، چنانچہ اس کے سبب کے بارے میں دریافت کیا۔ اُنہیں بتایا گیا کہ اے امیر المؤمنین! سوال کرنے والے سوال کرتے رہے لیکن اُنہیں کچھ نہیں دیا گیا، اس لیے اُنہوں نے مانگنا اور سوال کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ لوگ پریشانی اور تنگ دستی کا شکار ہیں، اس لیے نہ تو حسبِ معمول گپ شپ لگاتے ہیں اور نہ ہی ہنستے ہنساتے ہیں۔ ایسے حالات میں عمر رضی اللہ عنہ صرف سرکاری رپورٹوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ رات کے اندھیرے میں خود جا کر حالات معلوم کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

۵۔ امداد کی اپیل

کتبِ تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوشش یہ تھی کہ قحط سالی سے متاثرہ عوام کے دکھوں کا مداوا بیت المال سے کیا جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ بیت المال میں جو کچھ تھا، وہ اُنہوں نے خرچ کر دیا، یہ ان کا معمول تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں اُنہوں نے حکم دیا کہ سال میں ایک دن ایسا مقرر کرو جب خزانہ میں ایک درہم تک باقی نہ رہے اور وہاں جھاڑو لگا دی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو کہ میں نے ہر حقدار کا حق ادا کر دیا ہے۔[1]

صرف مقامی بیت المال سے امداد پر انحصار کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُنہیں اُمید تھی کہ شاید قحط کا سلسلہ جلد ختم ہو جائے گا، مصیبت ٹل جائے گی اور باہر سے امداد منگوانے کی ضرورت نہ رہے گی لیکن خشک سالی جیسے جیسے طول پکڑتی گئی، عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوتا

۱ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط: ص ۲۳۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

گیا اور مدینہ منورہ کا بیت المال بھی خالی ہو گیا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امداد بھجوانے کے لیے صوبوں کو خطوط لکھنے کا فیصلہ کیا۔ تاریخی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ شام کے گورنر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عراق کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی لکھا۔ یہ خطوط انتہائی مختصر اور زور دار تھے۔

سب سے پہلے جس شخص کو مدد پہنچانے کی سعادت ملی، وہ حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ امداد لے کر بنفس نفیس مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ غذائی سامان سے لدے ہوئے چار ہزار اونٹ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے ارد گرد قیام پذیر قحط زدگان کے درمیان یہ غذائی سامان تقسیم کرنے کا کام ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ تقسیم کا کام حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے میں دو فائدے تھے۔ ایک تو یہ کہ دوسروں کے مقابلے میں وہ زیادہ جوش جذبے کے ساتھ یہ خدمت انجام دیں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے حالات کا مشاہدہ کر لیں گے اور واپس جا کر اہل شام کو حالات سے آگاہ کر سکیں گے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

إذا جاءك كتابي هٰذا فابعث إلينا من الطعام بما يصلح من قبلنا فإنهم قد هلكوا إلا أن يرحمهم الله[1]

"جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو فوراً ہمارے پاس اتنا سامان بھیجو جو یہاں ہمارے لوگوں کی حالت سدھار سکے کیونکہ اگر اللہ کی رحمت شامل حال نہ ہوئی تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے غذائی سامان سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ اور تین ہزار چغے روانہ کر دیے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی لکھا، چنانچہ اُنہوں نے آٹے سے لدے ہوئے دو ہزار اونٹ بھیجے۔[2] حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک علاقے کے حاکم تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُنہیں بھی خط لکھا، چنانچہ انہوں نے بری راستے سے بھی امداد روانہ کی اور بحری راستے سے بھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا:

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۵

۲ ایضاً

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

بسم الله الرحمٰن الرحيم من عبد الله عمر أمير المؤمنين إلىٰ العاصي ابن العاص سلام عليك أما بعد: أفتراني هالكًا ومن قبلي وتعيش أنت ومن قبلك، فياغوثاه يا غوثاه يا غوثاه!

"یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے عاص بن العاصی کے نام۔ امابعد: کیا تم مجھے اور میرے پاس والوں کو ہلاک ہوتے دیکھو گے اور تم اور تمہارے پاس والے زندہ رہیں گے۔ مدد! مدد! مدد!"

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا:

سلام ہو آپ پر۔ میں آپ کے سامنے اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ امابعد! مدد آپ کے پاس پہنچنے والی ہے، آپ اطمینان رکھیں۔ میں ایسا قافلہ آپ کے پاس بھیج رہا ہوں جس کا اگلا سرا آپ کے پاس اور آخری سرا میرے پاس ہو گا۔"[1]

چنانچہ اُنہوں نے فوری طور پر بَری راستے سے آٹے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار کمبل بھیجے۔[2] یہ امداد سمندر کے راستے جدہ اور جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچی۔[3] لیکن کہاں سے روانہ ہوئی تو اس میں اختلاف ہے، محمد حسین ہیکل کی رائے میں ایلہ (موجودہ عقبہ) سے روانہ ہوئی تھی۔[4] جبکہ ابن الاثیر اور ابن خلدون کی رائے میں یہ امدادی سامان بحر قلزم سے روانہ ہوا تھا۔[5] صورت حال جو بھی ہو سمندری راستے سے امداد آنا تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے اور اس کی تفصیلات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ بقول طبری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لکھا:

"بعثتِ نبوی کے وقت بحر شامی سے ایک نہر کھود کر نکالی گئی جو بحیرہ عرب میں گرتی تھی جسے رومیوں اور قبطیوں نے بند کر دیا تھا۔ اگر آپ چاہیں کہ مدینہ منورہ میں غذائی

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۰
۲ ایضاً: ۳/ ۳۱۹
۳ البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۰۳
۴ حضرت عمر فاروق اعظم: ص ۳۴۰
۵ الکامل فی التاریخ: ۲/ ۵۵۶

magazine.mohaddis.com

مواد کی قیمت مصر کی قیمتوں کے برابر ہو تو میں دوبارہ نہر کی کھدائی کرلوں اور اس سے شاخیں نکلوادوں، جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ یہ کام کر دو اور اس میں جلدی کرو۔ لیکن مصریوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ خراج کے طور پر آپ کو کافی رقم ملی رہی ہے اور آپ کا امیر بھی آپ سے راضی بھی ہے،(اس لیے نہر کھدوانے کی ضرورت نہیں) کیونکہ اگر یہ منصوبہ مکمل ہوا تو خراج میں کمی واقع ہو گی چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے میں لکھا کہ اس منصوبے سے مصر کے خراج میں کمی ہو گی اور معیشت خراب ہو جائے گی۔ جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر لکھا کہ منصوبہ پر عمل درآمد کرو اور عجلت سے کام لو۔ اگر اس سے مدینہ آباد اور سدھر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ مصر کو برباد کرے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بحر قلزم سے سے نہر نکالی۔ نتیجۃً مدینہ منورہ کا نرخ مصر کے نرخوں کے برابر رہا اور اس سے مصر کی خوشحالی میں بھی اضافہ ہوا۔"[1]

البتہ ابن الجوزی کی روایت میں "أخرب الله مصر" کی بجائے "أخرب الله خراج مصر" کے الفاظ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مصر کے خراج کو غارت کر دے۔ میرے خیال میں یہی الفاظ زیادہ مناسب ہیں۔ غالباً اسی روایت کو بنیاد بنا کر ابن الاثیر اور ابن خلدون دونوں نے لکھا ہے کہ "وأصلح عمرو بن العاص بحر القلزم وأرسل فيه الطعام"

"عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بحر قلزم کی اصلاح کی اور اسی راستے غذائی سامان بھیجا۔"

لیکن ظاہر ہے کہ مصر اور مدینہ منورہ میں بار بار کی مراسلت اور درمیانی طویل فاصلہ وقت کا متقاضی ہے۔ اس لیے ایلہ (عقبہ) کی بندرگاہ اور بحر قلزم والی دونوں روایات کے درمیان تطبیق یوں کی جاسکتی ہے کہ ابتداءً انہوں نے فوری کاروائی کرتے ہوئے ایلہ سے غذائی سامان بھجوایا اور پھر نہر مذکور کی صفائی کھدائی کر کے اسے ٹھیک کیا اور بعد میں غلہ اسی راستے بھجواتے رہے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مذکورہ نہر کی کھدائی صفائی تقریباً ایک سال میں مکمل ہوئی اور سال مکمل ہونے سے پہلے ہی اس میں کشتیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اس نہر کا نام خلیج امیر

---

۱ تاریخ طبری: ۴/۱۰۰

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

المؤمنین پڑ گیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک اسی ذریعے سے غلہ پہنچتا رہا لیکن بعد کے اُمرا نے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اس میں ریت بھر گئی اور یوں یہ راستہ منقطع ہو گیا۔[1]

اس پورے واقعے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قلیل المدت یا فوری نوعیت کے اقدامات کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے طویل المدت اقدامات بھی کیے جس سے مدنی اور مصری معیشت پر دور رَس اثرات پڑے۔ مدینہ منورہ کے جنوب میں جار نامی حجاز کی بندر گاہ تھی۔ اس بحری راستے سے سامان جار پہنچتا اور جار سے پھر مکہ مدینہ اور یمن تک چلا جاتا۔[2] چنانچہ طبری نے مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ولم یر أهل المدینة بعد الرمادة مثلها"[3]

یعنی "اہل مدینہ نے رمادہ کے بعد پھر اس جیسی صورتحال نہیں دیکھی۔"

لیکن امدادی سرگرمیاں صرف یہاں تک محدود نہ تھیں بلکہ اسلامی ریاست کے ہر علاقے سے امدادی سامان پہنچنا شروع ہوا۔ چنانچہ طبری اور ابن الاثیر دونوں نے یہ الفاظ نقل کیے کہ

"وتتابع الناس واستغنى أهل الحجاز"[4]

"پھر لوگ (امدادی سامان لے کر) پے در پے آنے لگے حتیٰ کہ اہل حجاز مستغنی ہو گئے۔"

۶۔ امدادی سامان کی تقسیم کے لیے منتظمین کا تقرر

امدادی سامان مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ایک مشکل کام باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا امدادی سامان کی تقسیم۔ جن حضرات کو اس قسم کا کوئی تجربہ ہوا ہے، وہ جانتے ہیں کہ تقسیم انتہائی مشکل کام ہے۔ کم سامان اگر ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ تقسیم ہو تو بڑی مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ لیکن نظم وضبط کے فقدان کی صورت میں زیادہ وسائل کے باوجود مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لائحہ عمل

---

۱ نہایۃ الارب فی فنون الادب: ۱۹/۳۲۷

۲ الفاروق از علامہ شبلی نعمانی: ص ۲۳۳

۳ تاریخ طبری: ۴/۱۰۰

۴ ایضاً

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

Working plan تیار کیا جس کے دو حصے تھے: ایک حصہ دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ کے لیے تھا جبکہ دوسرا حصہ دیگر علاقوں کے لیے تھا۔

مدینہ منورہ میں تقسیم

مدینہ منورہ مسلمانوں کا روحانی مرکز تو ہے ہی، البتہ اس کے ساتھ ساتھ دار الخلافہ بھی تھا۔ جب قحط شروع ہوا اور اس میں شدت پیدا ہوئی تو لوگ ہر طرف سے چل کر مدینہ منورہ آنے لگے۔ چنانچہ امیر المؤمنین نے چند منتظمین کا تقرر کیا جو لوگوں کی خبر گیری کر سکیں اور غذائی سامان تقسیم کر سکیں۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق:

"رمادۃ کے سال عرب لوگ ہر طرف سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے۔ جہاں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو مقرر کیا جو ان کی خبر گیری کریں، ان کے درمیان طعام اور سالن تقسیم کر سکیں۔ ان میں یزید بن اُخت النمر، مسور بن مخرمہ، عبد الرحمٰن بن عبد اور عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود وغیرہم شامل تھے۔ رات کو یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوتے اور اپنی ساری کار گزاری اُن کو بتاتے۔ ان میں سے ہر شخص مدینہ کے ایک مخصوص علاقے پر مقرر تھا۔ اس زمانے میں (باہر سے آئے ہوئے) لوگ ثنیۃ الوداع سے راتج، بنی حارثہ، بنی عبد الاشہل، بقیع اور بنی قریظہ کے علاقے تک پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ جبکہ کچھ لوگ بنی سلمہ کے علاقے میں بھی تھے اور ان (مہاجرین) نے مدینہ منورہ کو گھیر رکھا تھا۔"[1]

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ سب سے پہلی امداد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے لے کر آئے تھے جو اُنہوں نے خود تقسیم کی۔ بعد میں آنے والے امدادی سامان کی تقسیم مذکورہ بالا حضرات کے سپرد ہوئی اور سب سے بڑھ کر خود امیر المؤمنین ان مہاجرین کی خدمت کیا کرتے تھے۔ اپنی پیٹھ پر بوریاں لادتے، ان کے لیے کھانا پکاتے اور رہائش کا بندوبست کرتے تھے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ مالک بن اوس کہتے ہیں کہ

"رمادۃ کے سال میری قوم کے سو گھرانے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آئے اور جبانہ کے مقام پر ٹھہرے، چنانچہ جو لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے وہ ان کو کھلاتے اور جو آ

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/۳۱۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نہیں سکتے تھے، ان کے لیے آٹا کھجور اور سالن ان کے گھروں میں بھجواتے، چنانچہ آپ میری قوم کے لوگوں کے پاس ان کی ضرورت کا سامان ماہ بہ ماہ بھجواتے رہتے تھے۔"[1]

ایک اور روایت کے مطابق اُنہوں نے جبانہ میں کچھ لوگوں کو ٹھہرایا اور پھر بار بار ان کی اور دوسروں کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔[2]

۷۔ مدینہ میں ریاستی دستر خوان

مدینہ میں جو لوگ پہلے سے رہائش پذیر تھے اور جو پناہ گزیں بن کے آئے، ان میں مرد وخواتین بوڑھے اور بچے کمزور بیمار ہر قسم اور ہر عمر کے افراد موجود تھے۔ ہر ایک کے پاس نہ تو پکانے کا سامان تھا، نہ ہی ہر شخص پکانے کے قابل تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں بیت المال کی طرف سے خلافتی دستر خوان کی روایت قائم کی۔ وہ روٹی کو روغن زیتون میں بھگو کر ثرید بناتے تھے اور ایک دن چھوڑ کر جانور ذبح کر کے اس کا گوشت ثرید پر ڈالتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی بڑی دیگیں چڑھا کر رکھی تھیں جن پر کام کرنے والے لوگ صبح سویرے اٹھتے اور 'کرکور'[3] تیار کرتے اور جب صبح ہوتی تو مریضوں کو کھانا کھلاتے، 'عصیدہ'[4] تیار کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان دیگوں میں تیل ڈال کر گرم کیا جاتا، جب اس کی تیزی اور گرمی ختم ہو جاتی تو روٹی کی چوری تیار کی جاتی اور اس پر یہی تیل ڈال دیا جاتا۔[5]

پھر آواز لگانے والا لوگوں کو بلاتا کہ من أحب أن يحضر طعامًا فيأكل فليفعل ومن أحبّ أن يأخذ ما يكفيه وأهله فليأت فليأخذه[6]

"جو شخص چاہے کہ حاضر ہو کر کھانے میں شریک ہو تو آجائے اور جو کوئی چاہتا ہو کہ اپنے لیے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ساتھ لے جائے تو وہ ساتھ لے جائے۔"

پھر جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امدادی سامان بھیجا تو دستر خوان خلافت پر ہر روز

---

۱ ایضاً

۲ اخبار عمر: ص ۱۱۱

۳ کَرْ کُور: ایک قسم کا کھانا ہے۔

۴ ایک کھانا جو آٹا اور گھی ملا کر بنایا اور پکایا جاتا ہے، اس کی جمع عصائد ہے۔ (الروائد: ۲/ ۱۰۲۹)

۵ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۷

۶ ایضاً: ۳/ ۳۱۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

بیس اونٹ ذبح ہوتے۔[1]

ایک مرتبہ جب لوگ عشاء کا کھانا کھا چکے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جن لوگوں نے ہمارے دستر خوان پر کھانا کھایا، اُنہیں شمار کیا جائے۔ اگلے دن گنتی کی گئی تو وہ سات ہزار پائے گئے۔ پھر اُنہوں نے حکم دیا کہ جو لوگ حاضر نہیں ہو سکتے مثلاً خواتین مریض اور بچے وغیرہ ان کی گنتی کی جائے، گنتی ہوئی تو وہ چالیس ہزار نکلے، کچھ دن گزرے تو لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اُنہوں پھر گنتی کا حکم دیا۔ تو معلوم ہوا کہ خود حاضر ہو کر کھانا کھانے والوں کی تعداد دس ہزار اور دوسروں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ بارش ہونے تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔[2]

اتنی بڑی تعداد کو کھانا کھلانا وسائل کے اعتبار سے تو خیر مشکل ہی ہے۔ البتہ انتظامی لحاظ سے بھی بڑا مشکل کام ہے کہ پچاس ہزار اَفراد کو مسلسل نو ماہ تک صبح شام پکا پکایا کھانا ایک محدود علاقے کے اندر فراہم ہوتا رہے۔

حجاز میں غذائی سامان کی تقسیم

جیسا کہ پہلا عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لائحۂ عمل کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ مدینہ منورہ کے لیے، دوسرا مدینہ منورہ سے باہر کے علاقوں کے لیے جس میں پورا حجاز شامل ہے۔ ہمارے استاد شیخ محمد السید الوکیل فرماتے ہیں کہ اس لائحۂ عمل کی ترتیب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں قیام رکھیں اور وہ اس بات پر اطمینان محسوس کریں کہ خلیفہ ان سے غافل نہیں اور یہ کہ طعام ان کے پاس ان کی قیام گاہ پر ہی پہنچے گا۔ در اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرح لوگوں میں پھیلے ہوئے اس رجحان کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتے تھے کہ جس کے تحت لوگ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آ رہے تھے اور دار الخلافہ کی طرف بھاگ رہے تھے۔ اگر سب لوگ مدینے چلے آتے تو مدینہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی اور مصیبت دوچند ہو جاتی۔ پہلے تو صرف غذائی سامان کی غیر موجودگی کا سامنا تھا، اب رہائش اور پناہ گاہ کی فراہمی بھی مسئلہ بن جاتی۔ شاید اس اقدام سے خلیفہ کا ایک مقصد یہ

---

۱ ایضاً: ۳/ ۳۱۵

۲ ایضاً: ۳/ ۳۱۶۔۳۱۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بھی تھا کہ جو لوگ پہلے ہی دار الخلافہ میں پناہ لے چکے ہیں، ان کو واپس اپنے اصل مقامات پر واپس بھجوا دیا جائے۔ جب مسلمان دیکھیں گے کہ خلیفہ باہر کے علاقوں پر زیادہ توجہ دے رہا ہے اور ان علاقوں کو دار الخلافہ کے مقابلے میں اوّلیت دی جارہی ہے اور ان کے آبائی علاقے مدینے کے مقابلے میں مقدم ہیں تو وہ خوشی خوشی ان علاقوں میں واپس جائیں گے، جہاں سے بھاگ کر اُنہوں نے ہجرت کی تھی۔[1] اس لائحہ عمل کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہوا کہ لوگ خصوصاً عورتیں بچے اور بوڑھے صبر آزما سفر کی تکلیفوں اور اخراجات سے بچ گئے اور جو کچھ اُنہیں ملنا تھا، بغیر کسی اضافی خرچ اور سفر کے اُنہیں اپنے گھروں میں ہی مل گیا۔

حزام بن ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نمائندے جار کی بندرگاہ سے غذائی سامان وصول کر کے لوگوں کو کھلاتے رہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے سامان بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وصولی کے لیے شام کی سرحدوں تک آدمی بھیجے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوسرے نمائندوں کی طرح لوگوں کو آٹا کھلاتے رہے۔ اونٹ ذبح کرتے رہے اور چغے لوگوں کو پہناتے رہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی سامان عراق سے بھیجا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وصولی کے لیے اپنے آدمیوں کو عراق کی سرحدوں کے قریب بھیجا، وہ انہی علاقوں میں اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو آٹا کھلاتے رہے اور چغے پہناتے رہے۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ مصیبت رفع فرمادی۔[2]

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنگریزوں سے بھری چادر سر کے نیچے رکھ کر مسجد میں آرام فرمارہے تھے۔ اُن کے کان میں کسی پکارنے والے کی یہ آواز پڑی کہ ہائے عمر، ہائے عمر! حضرت عمر رضی اللہ عنہ پریشان ہو کر بیدار ہوئے اور جہاں سے آواز آرہی تھی، اس طرف چل دیے۔ دیکھا کہ ایک دیہاتی شخص اونٹ کی مہار تھامے کھڑا ہے۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر لوگوں نے کہا، یہ ہیں امیر المؤمنین۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مظلوم خیال کرتے ہوئے پوچھا کہ تمہیں کس نے تکلیف دی ہے؟ اس شخص نے جواب میں چند اشعار پڑھے جن میں قحط کی شکایت کی تھی۔ حضرت

---

۱ جولہ تاریخیہ فی عصر الخلفاء الراشدین: ص ۲۶۷

۲ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۰۔۳۱۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا دستِ مبارک اس کے سر پر رکھا۔ پھر ان کی چیخ نکلی: ہائے عمر ہائے عمر! کیا تمہیں معلوم ہے یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ یہ قحط اور خشک سالی کا ذکر کر رہا ہے اور اس کا خیال ہے کہ عمر خود کھا پی رہا ہے اور مسلمان قحط و تنگ دستی میں مبتلا ہیں۔ کون ہے جو ان کے پاس کھانے پینے کا سامان کھجور اور ان کی ضرورت کی چیزیں پہنچا دے۔ چنانچہ انصار میں سے دو آدمیوں کو روانہ کیا جن کے ساتھ غذائی سامان اور کھجور سے لدے بہت سارے اونٹ تھے جنہیں لے کر وہ دونوں یمن پہنچے اور سب کچھ تقسیم کر دیا، البتہ ایک اونٹ پر تھوڑا سامان بچ گیا۔ وہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ واپسی پر جب ہم آ رہے تھے تو ہمارا گزر ایک ایسے شخص سے ہوا جس کی ٹانگیں بھوک سے سکڑ چکی تھیں لیکن اس حال میں بھی وہ کھڑے نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے سلام پھیرا اور پوچھا کیا تمہارے پاس کھانے کے لیے ہو گا؟ جو کچھ ہمارے پاس بچا تھا، ہم نے اس کے سامنے ڈال دیا اور اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا۔ اس نے کہا: واللہ اگر ہمیں اللہ نے عمر کے سپرد کیا ہے تب تو ہم ہلاک ہو جائیں گے؟ یعنی اللہ ہی بچانے والا ہے۔ اس سامان کو چھوڑ کر وہ دوبارہ نماز میں مصروف ہوا اور اپنے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھا دیے اور اس کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کے گرنے سے پہلے ہی اللہ نے بارانِ رحمت نازل فرما دی۔[1]

مصیبت زدوں کو یاد رکھنا

آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ خشک سالی کتنے وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ کس حد تک مفلوک الحال ہو چکے تھے اور کتنی بڑی تعداد مدینہ منورہ میں پناہ گزین ہو چکی تھی لیکن اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے دونوں ہاتھ بلا اختیار خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت کو سلام کرنے اُٹھ جاتے ہیں، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قبائل تو درکنار وہ کسی ایک گھر کو بھی اس دوران بھول نہ پائے۔ ہر مصیبت زدہ ہر وقت ان کے ذہن میں موجود رہتا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صائم الدہر تھے۔ رمادہ کے زمانے میں افطار کے وقت روٹی اور روغن زیتون کا ثرید بنا کر اُن کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ کئی اُونٹ ذبح کیے گئے اور لوگوں کو گوشت کھلایا گیا اور چند اچھی اچھی بوٹیاں ان کے لیے رکھی

---

1 مناقب عمر: ص ۷۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

گئیں۔ جب کھانا پیش کیا گیا تو اُنہوں نے دیکھا کہ کوہان اور کلیجی کی اچھی اچھی بوٹیاں برتن میں موجود ہیں۔ فرمایا: یہ کہاں سے؟ خادم نے عرض کی: امیر المؤمنین! یہ ان اونٹوں کی چند بوٹیاں ہیں جو ہم نے آج ذبح کئے تھے۔ فرمایا:

بخ بخ بئس الوالي أنا إن أكلت طيبها وأطعمت الناس كراديسها[1]

"ہائے افسوس ہائے افسوس! میں بہت برا حکمران ہوں گا، اگر اچھی چیز خود کھالوں اور ہڈیاں لوگوں کو کھلا دوں۔ اُٹھاؤ یہ برتن، کوئی اور کھانا میرے لیے لے آؤ۔ چنانچہ روٹی اور روغن زیتون لایا گیا۔ چنانچہ خود روٹی توڑ توڑ کر ثرید بنانے لگے۔ پھر فرمایا: اے یرفا! افسوس تمہارے اوپر۔ یہ برتن اُٹھا کر ثَمغ نامی مقام پر ٹھہرے ہوئے گھرانے کو لوگوں کے سامنے رکھ دو۔ کیونکہ تین دن ہوئے میں ان کے پاس نہیں جا سکا ہوں، میرا خیال ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

مریضوں کی عیادت اور اَموات کی تدفین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حسبِ استطاعت سب لوگوں کا اتنا خیال رکھا لیکن اس کے باوجود ان میں بیماری پھوٹ پڑی اور بہت سے لوگ اس کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم کہتے ہیں کہ موت نے وبائی شکل اختیار کر لی اور میرا خیال ہے کہ پناہ گزینوں میں سے تقریباً دو تہائی لوگ موت کا شکار ہوئے اور ایک تہائی باقی رہ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اور جب کوئی مر جاتا تو اس کے لیے کفن بھیجتے اور اس کی نماز جناہ پڑھتے تھے۔ مالک بن اوس کہتے ہیں کہ

وكان يتعاهد مرضاهم وأكفن من مات منهم. لقد رأيت الموت وقع فيهم حين أكلوا الشُّفل وكان عمر يأتي بنفسه، يصلّي عليهم. لقد رأيته صلّى على عشرة جميعًا[2]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ مریضوں کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ مرنے والوں کے لیے کفن کا بندوبست کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ گھاس پھوس کھا کھا کر لوگ موت کا شکار

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۲

۲ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۷

magazine.mohaddis.com

ہونے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود جا کر ان کی نماز جنازہ پڑھاتے اور میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ایک مرتبہ دس آدمیوں کی اجتماعی نماز جنازہ پڑھائی۔"

راشن بندی

پہلے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ جو لوگ خود حاضر ہونے کے قابل ہوتے، وہ بذاتِ خود آ کر دستر خوانِ خلافت پر کھانا کھا لیتے اور جو حاضری سے معذور تھے جیسے خواتین، بچے بوڑھے وغیرہ ان کے لیے کھانا گھروں پر بھجوا دیا جاتا تھا اور بعض صورتوں میں تو ہر مہینہ یکمشت ان کا راشن بھجوا دیا جاتا تھا۔[1]

یہ سامان لوگوں میں اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا کہ بقول محمد حسین ہیکل اسے زمانۂ جنگ کی تقسیم غذا کے جدید نظام سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ زیادہ ہوا تو زیادہ تقسیم کر دیا گیا اور کم ہوا تو کم۔[2] راشن کی تقسیم اور لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ایک اور تجویز بھی تھی جس کا اظہار اُنہوں نے رمادہ کے دوران بھی فرمایا اور رمادہ کے بعد بھی۔ یہ تجویز دراصل مؤاخات کے اُصول پر تیار کی گئی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر عمل درآمد کا موقع ہی نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت کے ذریعے مصیبت ٹال دی۔ رمادہ کے زمانے میں راشن تقسیم کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نطعم ما وجدنا أن نطعم فإن أعوزنا جعلنا مع أهل كل بيت ممن يجد عدتهم ممن لا يجد أن يأتي الله بالحيا[3]

"جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے وہ تو ہم کھلا دیں گے۔ پھر اگر ہم نے کمی محسوس کی تو کچھ رکھنے والے ہر گھرانے کے ساتھ ان کی تعداد کے برابر ایسے لوگ شامل کر دیں گے جو کچھ نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل کر دے۔"

---

۱ ایضاً

۲ عمر فاروق اعظم: ص ۳۴۱

۳ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

خلیفہ کا اپنی ذات کے بارے میں رویّہ

اوپر مذکور انتظامی اقدامات وہ ہیں جن کا زیادہ تعلق حکومتی مشینری کے ساتھ ہے لیکن رمادہ کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کے بارے میں بہت سے اقدامات اُٹھائے۔ انہوں نے اپنے مزاج کے عین موافق رخصت کو چھوڑ کر عزیمت اختیار کی۔ اگرچہ شرعاً وہ اس بات کے مکلف نہ تھے تاہم عزیمت چھوڑ کر رخصت پر عمل کرنا ان کی نظر میں ایک مثالی قائد کے شایانِ شان نہ تھا۔ بلکہ ان کی فاروقیت تو اس وقت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ رمادہ کے دوران انہوں نے اپنے اہل وعیال اور بچوں کے معاملے میں بھی عزیمت اختیار کی۔

گھی سے پرہیز

خوراک کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عادت یہ تھی کہ دودھ اور گھی میں روٹی ڈال کر کھایا کرتے تھے۔ جب قحط شروع ہوا تو پھر روغن زیتون اور سرکے میں روٹی بھگو کر تناول فرمایا کرتے تھے۔ اُسید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ قحط سالی کا شکار ہوئے تو گھی کی قیمت بڑھ گئی۔ آپؓ عموماً گھی استعمال کرتے تھے لیکن جب قلت پیدا ہوئی تو فرمایا: لا آکله حتی یأکله الناس[2] "جب تک لوگوں کو کھانے کے لیے نہیں ملتا میں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

اس کا فوری سبب غالباً وہ واقعہ تھا جسے ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے گھی میں چوری کی ہوئی روٹی پیش کی گئی۔ آپ نے ایک بدوی کو بھی شریکِ طعام ہونے کے لیے کہا، چنانچہ بدوی کھانے میں شریک ہوا اور جس طرف گھی تھا وہ بدوی اس طرف سے لقمے لینے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لگتا ہے تم نے کبھی گھی نہیں کھایا۔ اس شخص نے جواب دیا: ہاں میں نے فلاں فلاں دن سے آج تک نہ تو گھی یا تیل خود کھایا ہے، نہ کسی اور کو کھاتے دیکھا ہے؟ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ جب تک لوگ قحط میں مبتلا ہیں، وہ گھی اور

---

۱ البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۰۳

۲ طبقات ابن سعد: ۳/۳۱۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

گوشت کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔"[1]

یحییٰ بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے ان کے لیے گھی کا ایک کنستر ساٹھ درہم میں خریدا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا: یہ میرے ذاتی مال میں سے خریدا گیا ہے، آپ کے دیے گئے نفقہ سے نہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ما أنا بذائقه حتى يحيا الناس[2]

"جب تک لوگ بارانِ رحمت سے فیض یاب نہیں ہوتے، میں اسے چکھنے والا نہیں۔"

گوشت سے پرہیز

زید بن اسلم اپنے والد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمادہ کے سال گوشت کو اپنے اوپر حرام کر دیا تھا، جب تک کہ لوگوں کو نہ ملے۔ ایک اور روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس عزم پر قائم رہے...

"لم يأكل عمر بن الخطاب سمنا ولا سمينا حتى أحيا الناس"[3]

"یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نہ تو گھی کھایا، نہ گوشت یہاں تک کہ بارش ہوئی۔"

دو سالن ایک ساتھ دستر خوان پر نہیں کھاتے

قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی ایک دستر خوان پر دو سالن نہیں کھائے، وہ اسے فضول خرچی سمجھتے رہے کیونکہ یہ چیزیں اس طرح دوسرے لوگوں کو میسر نہ تھیں۔ ایک دفعہ ان کے سامنے گوشت پیش کیا گیا جس میں گھی بھی تھا۔ اُنہوں نے دونوں کے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "كل واحد منهما أدم"

"ان دونوں میں سے ہر ایک (بجائے خود) ایک (مستقل) سالن ہے۔"

ابو حازم نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو اُنہوں نے ٹھنڈا شوربا اور روٹی پیش کی اور شوربے میں تیل

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۳

۲ مناقب عمر رضی اللہ عنہ: ص ۷۲

۳ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

بھی ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أدما في إناء واحد لا أذوقه حتى ألقى الله"[1] "دوسالن ایک ہی برتن میں، میں اسے نہ چکھوں گا یہاں تک کہ اپنے اللہ کے سامنے پیش ہو جاؤں۔"

چھنے ہوا آٹے سے گریز

قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ کوشش رہی کہ موٹا پسا ہوا آٹا کھائیں اور چھنے ہوئے آٹے سے گریز کرتے رہے۔ بلکہ خادم کو ہدایت دے رکھی تھیں کہ آٹا نہ چھانا جائے، یسار بن عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "والله ما نخلت لعمر الدقيق قط إلا وأنا له عاص"[2] "واللہ میں نے جب کبھی عمر کے لیے آٹا چھانا تو میں نے اس معاملے میں ان کی ہدایات کی خلاف ورزی کی۔"

شہد کا شربت

قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھانے کے معاملے میں تو احتیاط کرتے ہی رہے۔ گھی، گوشت الگ الگ یا ایک ساتھ کبھی نہیں کھایا۔ نہ اپنے گھر میں نہ اپنی صاحبزادی کے گھر میں لیکن اس سے بھی بڑھ کر حیران کن بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت پیاس لگی، ایک شخص کے گھر میں اسی حالت میں داخل ہو کر اس سے پانی مانگا تو اُنہوں نے شہد پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: "والله لايكون فيما أحاسب به يوم القيامة"

"اُمید ہے قیامت کے روز جن چیزوں پر میرا محاسبہ ہو گا، یہ ان میں شامل نہیں ہو گا۔"[3]

ردّی کھجوریں

رمادہ کے واقعات کے ضمن میں ابن سعد نے تین روایتیں ایسی بیان کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بے کار اور ردی کھجوریں کھانے میں بھی عار محسوس نہیں کی۔ اگر ایک جانب قحط کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۹

۲ ایضاً

۳ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۹

قناعت اور تواضع کا نظارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ کھجوروں کے وطن میں بیٹھ کر کوئی ردی کھجوریں کھائے اور وہ بھی امیر المؤمنین۔ بائیس لاکھ مربع میل کا حکمران!![1]

ٹڈی کی خواہش

قحط اور خشک سالی جیسے حالات کا سامنا بہت سے ملکوں کو کرنا پڑتا ہے لیکن عموماً نچلے یا متوسط طبقے کے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں، اَشرافیہ اور حکمران طبقہ شاذ و نادر ہی متاثر ہوتا ہے۔ یا تو اپنے مال و دولت کی وجہ سے اور یا اثر و رسوخ اور حکومت کی وجہ سے۔ جب ہم رمادہ پر نظر ڈالتے ہیں تو حاکم و محکوم دونوں متاثر ہوئے اور دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے منہ سے پانی ٹپک رہا ہے، میں نے عرض کی کہ آپ کا کیا حال ہے؟ تو فرمایا: بھنے ہوئے ٹڈی کی خواہش ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کی مجلس میں کسی نے ذکر کیا کہ 'ربذہ' (نامی مقام) میں ٹڈی موجود ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ ٹڈی کی ایک دو ٹوکریاں ہمارے پاس ہوں تو ہم بھی کھا سکیں۔ اس خواہش کی شدت کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر اس کا ذکر کیا اور فرمایا: کاش ہمارے پاس ٹڈی بھرے ایک یا دو ٹوکرے ہوتے اور ہم بھی اس میں سے کچھ کھا لیتے۔[2]

قصرِ خلافت کا دستر خوان

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رمادہ کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی گھر کے اندر بھی کوئی پسندیدہ کھانا تناول نہیں کیا، اس دوران آپ ہمیشہ وہی کھانا تناول فرماتے جو عام لوگوں کے میسر تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں نقل کیا گیا کہ

"وما أكل عمر في بيت أحد من ولده ولا بيت أحد من نسائه ذواقا زمان الرمادة إلا ما يتعشى مع الناس"[3]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمادہ کے زمانے میں نہ تو اپنے بیٹوں میں سے کسی کے گھر اور نہ

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/۳۱۸

۲ طبقات ابن سعد: ۳/۳۱۷۔۳۱۸

۳ طبقات ابن سعد: ۳/۳۱۷

ہی اپنی بیویوں میں سے کسی کے گھر کوئی پسندیدہ کھانا تناول فرمایا، سوائے اس کھانے کے جو وہ رات کے وقت عام لوگوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔"

عوام کے ساتھ بیٹھ کر کھانا

قحط کے دوران لوگوں کو تسلی دینے اور ان میں صبر کا مادہ پیدا کرنے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کی خاطر اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ عام لوگوں کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھتے اور وہی کھانا تناول فرماتے جو عام لوگ کھاتے:"و كان عمر يأكل مع القوم كما يأكلون"[1]
"حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ مل کر انہی کی طرح کھاتے۔"

پیٹ گڑ گڑانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمادہ کے زمانے میں جس قسم کی غذا کا استعمال شروع کیا، وہ ان کے مزاج کے موافق نہ تھا۔ اس لیے اس کے اندرونی و خارجی اثرات ان کی صحت پر مرتب ہونا شروع ہوئے اور یہ اثرات اتنے واضح تھے کہ دیکھنے اور پاس بیٹھنے والوں نے بھی محسوس کیا۔

رمادہ کے زمانے میں انہوں نے اپنے لیے گھی کو ممنوع قرار دیا تھا اور روغن زیتون پر گزارہ کرتے تھے جس کی وجہ سے پیٹ سے گڑ گڑاہٹ سنائی دیتی تھی۔ آپ نے انگلی سے پیٹ کو دبایا اور پیٹ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ خوب گڑ گڑاؤ! ہمارے پاس تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے ہی نہیں جب تک کہ لوگوں سے یہ مصیبت ٹل نہیں جاتی۔[2]

ایک اور موقع پر اپنے پیٹ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے پیٹ! جب تک گھی چاندی کے مول بکتا رہے گا تجھے اسی تیل کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ آپ کے غلام اسلم کہتے ہیں کہ لوگ جب قحط کا شکار ہوئے تو گھی مہنگا ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھی کھایا کرتے تھے جب اس کی قلت پیدا ہوئی تو فرمایا:"لا أكله حتى يأكله الناس "جب تک لوگوں کو کھانے کے لیے گھی نہیں ملے گا میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ زیتون کا تیل استعمال کرنے لگے اور فرمایا: اے اسلم! اس کو آگ پر گرم کر کے اس کی حدت ختم کر دو۔ چنانچہ میں ان کے لیے تیل پکایا کرتا تھا اور وہ استعمال

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۲

۲ الزہد: ص ۱۴۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

فرماتے لیکن پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہوتی۔ آپ فرماتے: اے پیٹ خوب گڑ گڑا! اللہ کی قسم تمہیں گھی اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک عام لوگ کھانہ لیں۔[1]

رنگ بدل گیا

قحط اور عزیمت پر مبنی اس کردار نے جلد ہی امیر المؤمنین کی صحت کو متاثر کرنا شروع کیا اور ہوتے ہوتے یہ اثرات اتنے واضح انداز میں ظاہر ہوئے کہ دوسرے لوگ بھی ان کا مشاہدہ کرنے لگے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"فأسود لونُ عمر رضي الله عنه وتَغيَّر جسمه"[2]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور جسم کمزور ہونے لگا۔"

ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ گندمی تھا۔ البتہ رمادہ کے سال میں دیکھا گیا کہ تیل کھانے سے ان کا رنگ متغیر ہوا۔ ایک اور روایت کے مطابق عیاض بن خلیفہ کہتے ہیں کہ رمادہ کے سال میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے حالانکہ پہلے ان کا رنگ سفید تھا۔ ان سے پوچھا جاتا کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ آپ فرماتے کہ عمر ایک عربی شخص تھا، گھی اور دودھ استعمال کیا کرتا تھا۔ جب لوگ قحط کا شکار ہوئے تو اس نے یہ دونوں چیزیں اپنے اوپر حرام کر دیں۔ جس کی وجہ سے اس کا رنگ بدل گیا، اس نے فاقے شروع کر دیے اور یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔[3]

خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے بعضوں کا کہنا ہے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ سفید تھا۔ جب رمادہ کا سال آیا جو کہ بھوک کا سال تھا تو اُنہوں نے گوشت اور گھی چھوڑ کر مسلسل روغن زیتون استعمال کرنا شروع کیا۔ جس سے ان کا رنگ بدل گیا۔ وہ سرخ و سفید تھے لیکن اب سیاہ لاغر ہو گئے۔[4] امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ

---

۱ الزہد: ص ۱۵۰

۲ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۰۳

۳ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۴۔ ۳۲۴

۴ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۴/ ۴۸۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رمادہ کے ایام میں اس غذا سے وہ سیر نہیں ہوتے تھے۔[1]

زندگی خطرے میں پڑ گئی

یہاں یہ تصور کر لینا بالکل غلط ہو گا کہ تبدیلی صرف ان کے رنگ تک محدود تھی۔ بلکہ اکثر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ان کی صحت مسلسل گر رہی تھی اور اگر قحط کا یہ سلسلہ جاری رہتا تو شاید امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

اسامہ بن زید بن اسلم اپنے دادا اسلم کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ

"كنا نقول لو لم يرفع الله المحل عام الرمادة لظننا أن عمر يموت هما بأمر المسلمين"[2]

"یعنی رمادہ کے سال ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ قحط ختم نہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یقیناً مسلمانوں کے غم میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

سواری چھوڑ دی

بات صرف کھانے پینے کے معاملے میں عزیمت تک محدود نہ تھی بلکہ اب تو زندگی کے ہر معاملے میں وہ عزیمت کی انتہائی حدوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہو گا کہ قحط نے سب سے زیادہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو متاثر کیا۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ رمادہ کے ایام میں وہ ہر چھوٹے بڑے واقعے بلکہ معمول کی چیزوں کا بھی غیر معمولی انداز میں جائزہ لیا کرتے تھے اور جو بھی قدم اُٹھانا ہوتا تھا، اس کا آغاز اپنی ذات سے کرتے تھے۔

سائب بن یزید نقل کرتے ہیں کہ رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک سواری پر سوار تھے جانور نے لید کی جس میں جَو کے دانے تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمانے لگے:

"المسلمون يموتون هزلا وهذه الدابة تأكل الشعير لا والله لا أركبها حتى يحيا الناس"[3]

"مسلمان بھوکوں سے مر رہے ہیں اور یہ جانور جَو کھا رہا ہے۔ نہیں اللہ کی قسم جب تک

---

۱ البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۰۳

۲ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۵

۳ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

لوگ بارش سے فیض یاب نہیں ہوتے میں اس جانور پر سواری نہیں کروں گا۔"

خلیفہ وقت کا لباس

قحط کی شدت امیر المؤمنین کے لباس پر بھی اثر انداز ہوئی۔ سائب ابن یزید فرماتے ہیں کہ رمادہ کے سال میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جسم پر تہبند دیکھا جس میں سولہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور اس حال میں بھی وہ یہ دعا فرما رہے تھے:

اللهم لا تجعل هلكة أمة محمد على رجلي[1]

"الٰہی میری وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہلاک نہ فرما۔"

صاحبزادگان (خانوادۂ خلافت)

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو عزیمت اختیار کی، وہ صرف ان کی ذات محدود نہ تھی بلکہ ان کے اہل وعیال کو بھی عزیمت کے اس امتحان سے گزرنا پڑا۔ اس سلسلے میں بطورِ مثال دو واقعات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خادم خاص اسلم کا کہنا ہے کہ

رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام لوگوں کو گوشت ملنے تک اسے اپنے اوپر حرام کر دیا تھا۔ ان کے صاحبزادے عبید اللہ کے پاس بھیڑ یا بکری کا بچہ تھا۔ جسے ذبح کرنے کے بعد بھوننے کے لیے تنور میں رکھا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خوشبو محسوس ہوئی، وہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ فرمانے لگے: میرا خیال نہیں کہ میرے گھر میں کوئی شخص یہ حرکت کرے گا۔ جا کر دیکھ آؤ، میں نے جا کر دیکھا تو اس (جانور) کو تنور میں پایا۔ عبید اللہ کہنے لگے: میرا پردہ رکھو، اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائیں گے۔ اسلم نے کہا: امیر المؤمنین نے یہ جانتے ہوئے ہی مجھے بھیجا تھا کہ میں ان کے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس کے بعد اُنہوں نے وہ ذبیحہ تنور سے نکلوایا اور لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ کہتے ہوئے رکھ دیا کہ اُنہیں اس کا علم نہیں تھا۔ عبید اللہ نے بتایا کہ یہ بچہ در حقیقت ان کے بیٹے کا تھا، پھر میں نے خریدا۔ مجھے

magazine.mohaddis.com

گوشت کی خواہش ہوی تو میں نے ذبح کر دیا۔[1]

عیسیٰ بن معمر کہتے ہیں کہ رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں میں سے کسی کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو فرمایا: واہ واہ امیر المؤمنین (رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت تو بھوک سے نڈھال ہو رہی ہے اور تم پھل کھا رہے ہو؟ یہ سن کر بچہ بھاگ نکلا اور رونے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مطمئن ہوئے جب اُنہیں بتایا گیا: یہ خربوزہ اس بچے نے مٹھی بھر گٹھلیوں کے عوض خریدا تھا۔[2]

بیویوں سے کنارہ کشی

ویسے تو رمادہ کے دوران امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا مکمل کردار عدیم المثال ہے لیکن جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اس کی مثال شاید انسانی تاریخ آئندہ زمانے میں بھی پیش نہ کر سکے۔ صفیہ بنت ابی عبید نقل کرتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کی بعض خواتین نے مجھے بتایا کہ رمادہ کے زمانے میں غم اور پریشانی کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی کسی بیوی کے قریب نہیں گئے۔[3]

خود سامان اُٹھانا اور کھانا پکانا

اس عظیم آزمائش کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ریاستی مشینری کو تو متحرک کر ہی دیا تھا لیکن خود بھی اس دوران ایک عام مزدور کی طرح بلکہ مزدور سے بڑھ کر کام کیا۔ بجائے اس کے کہ متاثرین قحط کو اپنے پاس بلاتے، خود ان کے پاس چل کر تشریف لے جاتے۔ ان کے کندھوں پر بوریاں لادنے کی بجائے خود اُٹھا کر لے جاتے رہے اور باورچی بن کر فاقہ زدوں کے لیے کھانا پکاتے رہے۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسا ہی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

> اللہ تعالیٰ ابن حَنتمہ (عمر کی والدہ کا نام) پر رحم فرمائے۔ رمادہ کے سال میں نے دیکھا کہ ہاتھ میں گھی کا برتن اور پشت پر دو بوریاں لادے جا رہے ہیں۔ وہ اور اسلم اپنی اپنی

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۳

۲ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۵

۳ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

باری لے رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر اُنہوں نے فرمایا: ابو ہریرہ کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یہاں قریب ہی سے، پھر میں نے بھی ان کی مدد کی حتیٰ کہ ہم صرار (جگہ کا نام) پہنچے، وہاں تقریباً بیس گھرانوں پر مشتمل ایک گروہ تھا۔ جن کا تعلق محارب (قبیلہ) سے تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم لوگ کیسے یہاں آئے۔ انہوں نے کہا: مصیبت کی وجہ سے، اس کے بعد اُنہوں نے جانور کا بھنا ہوا چمڑا ہمارے سامنے نکال کر رکھا جسے وہ کھایا کرتے اور اس کے ساتھ پسی ہوئی ہڈیوں کا سفوف پھانک لیا کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر پھینک دی اور تہبند کس لیا اور ان کے لیے کھانا پکاتے رہے یہاں تک کہ وہ سب سیر ہو گئے۔ پھر اسلم کو مدینہ منورہ کی طرف بھیجا، وہ وہاں سے اونٹ لے کر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو اونٹوں پر سوار کرا کر 'جبانہ' نامی مقام میں بسایا، ان کو کپڑے مہیا کیے۔ اس کے بعد وہ کبھی کبھی ان کی اور دوسرے لوگوں کی خبر گیری تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ مصیبت دور فرمادی۔[1]

پکانے کی تربیت دینا

رمادہ کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو کہ عصیدہ[2] پکا رہی تھی آپ نے فرمایا: عصیدہ ایسے نہیں بنایا جاتا۔ پھر مسوط[3] اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو سمجھا کر فرمایا: ایسے۔

ہشام بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تک پانی خوب گرم نہ ہو جائے تم خواتین میں سے کوئی اس میں آٹا نہ ڈالے، پھر پانی گرم ہو جانے کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے آٹا اس میں ڈالا جائے اور مسوط کے ذریعے اس کو ہلاتی جائے اس طرح کھانا زیادہ گاڑھا ہو گا اور آٹے کے ٹکڑے بھی نہیں جمیں گے۔[4]

---

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۴

۲ ایک قسم کا کھانا جو کہ گھی اور آٹا ملا کر پکایا جاتا ہے۔ (مصباح اللغات: ص ۵۵۵)

۳ لکڑی وغیرہ جس کے ذریعے کسی چیز کو دوسری میں مکس کیا جائے۔ (مصباح اللغات: ص ۴۰۶)

۴ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نمازِ استسقاء اور بارانِ رحمت کا نزول

رزم ہو یا بزم، بھوک ہو یا بیماری، ہر حالت میں بابِ رحمت کی کشادگی کے لیے مسلمانوں کی نظریں نبی کریم ﷺ کی طرف ہی اٹھتی تھیں: استشفاء اور استسقاء کے لیے مسلمانوں نے ہمیشہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں التجا کی۔ بلکہ عہدِ نبوی میں جب ایک مرتبہ خشک سالی ہوئی تو کفار نے بھی بارگاہِ نبوت میں دعا کے لیے درخواست کی۔

رمادہ کا دورِ ابتلا نو مہینے جاری رہا۔ مسلمانوں نے صابر ہونے کا ثبوت دیا، اللّٰہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی۔ بقول حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ گھروں تک پہنچنے سے بھی پہلے ایسی بارش ہوئی کہ وادیاں بہہ نکلیں۔[1] سورۃ الشوریٰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِىُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۸﴾

”وہی تو ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد بارانِ رحمت برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی کارساز اور قابل ستائش ہے۔“

نو ماہ کے ابتلا و آزمائش کے بعد اللّٰہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور صلوٰۃ استسقا کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی گئی، یہ سب کچھ خواب کے ذریعے ہوا۔ البتہ واقعات مختلف ہیں، مؤرخین نے اس سلسلے میں خواب کے دو واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ مذکورہ خواب دیکھنے والے اشخاص الگ الگ ہیں تاہم ان خوابوں کا مفاد و مراد ایک ہے۔

مہاجرین کی واپسی

بقول محمد حسین ہیکل: اللّٰہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعا قبول فرمائی اور دھواں دار بارش کے ذریعے آسمان کے دروازے کھول دیے، پیاسی زمین دیکھتے دیکھتے سیراب ہو گئی اور اس نے اپنا خاکستری لباس اتار کر دھانی پوشاک پہن لی۔ اب ان تمام عربوں کے لیے جو چاروں طرف سے آکر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے، وہاں ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہ رہی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود ان میں جاتے اور فرماتے: جاؤ، اپنے وطن کو واپس جاؤ۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ مدینہ کی زندگی کو عیش و آرام کی زندگی سمجھ کر وہیں نہ رہ پڑیں۔

---

1 البدایہ والنہایہ: ۷/۱۰۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بقول ابن سعد: فلما أحيوا قال أخرجوا من القرية إلى كنتم اعتدتم من البرية فجعل عمر يحمل الضعيف منهم حتى لحقوا ببلادهم[1]

"یعنی جب بارش ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا، اس گاؤں سے نکلو اور صحرا جہاں رہنے کے تم عادی تھے، چلے جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ضعیفوں کو خود اُٹھاتے یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے علاقوں میں چلے گئے۔"

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لیے امیر المؤمنین نے چند لوگوں کو ذمہ داری سونپی تھی۔ واپس جانے والوں کو امداد اور سواری بھی مہیا کی جاتی تھی۔ قحط کے بعد یہ ایک انتہائی اہم قدم تھا جو انہوں نے اٹھایا، اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے تو ایک جانب مدینہ منورہ میں ان مہاجرین کی آبادکاری حکومت کے لیے گھمبیر صورت اختیار کر جاتی اور دوسری طرف عرب کا صحرائی نظام زندگی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور ساتھ ہی بارش کے بعد زمینوں کی دوبارہ بحالی کا کام بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔

زکاۃ کی وصولی میں تاخیر

رمادہ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زکاۃ و عشر کی وصولی کے بارے میں انتہائی بروقت اور جرأت مندانہ فیصلے کیے۔ ایک اہم فیصلہ یہ کیا کہ قحط کے زمانے میں انہوں نے کسی آدمی کو زکاۃ کی وصول کے لیے متاثرہ علاقے میں نہیں بھیجا بلکہ جب تک قحط دور نہ ہو گیا، ان کو روکے رکھا۔ جب بارش ہوئی اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا اور معیشت بحال ہونے لگی تو کارندوں کو وصولی کے لیے بھیجا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق

أن عمر أخر الصدقة عام الرمادة فلم يبعث السعاة. فلما كان قابل ورفع الله ذلك الجدب أمرهم أن يخرجوا فأخذوا عقالين فأمرهم أن يقسموا عقالا ويقدموا عليه بعقال[2]

"رمادہ کے سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زکاۃ کی وصولی مؤخر فرمادی، چنانچہ کسی کو وصولی کے لیے نہیں بھیجا۔ اگلے سال جب اللہ تعالیٰ نے خشک سالی رفع فرمائی تو محصلین کو

۱ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۱۷۔ ۳۲۳

۲ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۲۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حکم دیا کہ وہ وصولی کے لیے نکلیں۔ چنانچہ اُنہوں نے دو دو حصّے وصول کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اُنہیں حکم دیا کہ ایک حصہ مقامی طور پر تقسیم کیا جائے اور دوسرا حصہ اپنے ساتھ (بیت المال کے لیے) لے کر آئیں۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے وصولی اور تقسیم کے لیے مفصّل ہدایات جاری کیں۔"

ان اقدامات کے تین فوائد حاصل ہوئے:

① رمادہ کے ایام میں لوگوں کی سہولت، مہلت اور رعایت حاصل ہوئی اور حکومتیں کارندوں یعنی محصلین کی توجہ امدادی کاموں پر مرکوز رہی۔

② مقامی تقسیم میں ان لوگوں کو ترجیح دی گئی جو سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے ان کو مقامی طور پر امداد مہیا کر دی گئی اس طرح حکومت اور عوام دونوں کا وقت اور ان کے وسائل ضائع ہونے سے بچ گئے کیونکہ اموال صدقہ کی مدینہ منورہ منتقلی اور پھر مقررہ حصہ کی واپسی ان علاقوں میں منتقلی پر وقت اور سرمایہ دونوں خرچ ہوتے۔

③ چونکہ بیت المال بالکل خالی ہو چکا تھا اور ایک بڑے اقتصادی بحران کا خطرہ موجود تھا، اس لیے اُنہوں نے زکاۃ کی وصولی ساقط نہیں کی بلکہ مؤخر کر دی اور اگلے سال مکمل وصولی کی وجہ سے عوام کی داد رسی بھی ہوئی اور بیت المال بھی آئندہ کسی اور بحران سے نمٹنے کے قابل ہوا۔

قارئین کرام! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کو دیکھیں جو اس قحط کے زمانے میں جس سے اُنہیں اور ان کی قوم کو سابقہ پڑا، ان کی خدمات سے ظاہر ہوئی ہے۔ اس سے ہماری مراد استعجاب واحترام کے ان جذبات کا احترام نہیں ہے جو ان خدمات کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دل میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ ہم ان خدمات کے آئینے میں حکومت کی اس تصویر کو اجمالی خطوط دیکھنا چاہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اس مسلم حکمران کے ذہن میں مرتسم تھی۔ جسے اللہ جل جلالہ کی حکمتِ بالغہ نے اس مقصد کے لیے مخصوص فرمایا تھا کہ وہ اسلامی معاشرے میں نظام حکومت کو تفصیلی رنگ دینے کا آغاز کرے۔ ان خدمات واعمال میں جو چیز سب سے زیادہ نظر کو اپنی طرف کھینچتی ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذمہ داریاں قبول کرنا اور اپنی جان کو موردِ ستم بنانا ہے۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے روگرداں ہونے کے

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

لیے اپنے اوپر یہ بوجھ نہیں لادا تھا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ وہ اس لیے کرتے تھے کہ ان کا شعور غریبوں، کمزوروں اور محتاجوں کے شعور سے ہم آہنگ ہو جائے۔ فرماتے: ”جب تک میں خود لوگوں کی مصیبت میں شریک نہ ہوں گا مجھے ان کی تکلیف کا کیسے اندازہ ہو گا؟“

اس لیے وہ اپنے آپ کو ان محتاجوں کی سطح پر لے آئے تھے جنہیں زندگی برقرار رکھنے کے لیے صرف انہی کا دستر خواں میسر آتا تھا جس پر وہ دوسرے ہزاروں بھوکوں کے ساتھ بیٹھتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ہمراہ کھانا کھاتے تھے اور اپنے گھر میں کھانا کھانے پر رضامند نہ ہوتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ اپنے لیے ایسی چیز پسند کرتے ہیں جو ان کی قوم کے فاقہ زدوں کو میسر نہیں۔ اپنے اس عمل سے ان کے دو اہم مقصد تھے: ایک تو یہ کہ انہیں لوگوں کے دکھ درد کا احساس ہو جائے تاکہ وہ ان سے ہمدردی اور ان کی تکلیفیں دور کرنے کے سلسلے میں سعی و عمل کی رفتار تیز کر دیں اور دوسرا یہ کہ عوام کو اطمینان حاصل ہو جائے کہ امیر المؤمنین مصائب و شدائد میں ہمارے برابر کے شریک ہیں اور ان کے جذبات مشتعل نہ ہوں بلکہ وہ ہر تکلیف و اذیت پر راضی بہ رضا رہیں کہ خلافت کا سب سے بڑا آدمی اس ابتلا میں ان کا ساتھ دے رہا ہے اور ان دونوں مقاصد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے کامیاب رہے کہ کسی قوم کا کوئی فرمانروا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔[1]

یہ ہے اسلام کی عظمت کہ چودہ سو برس قبل بھی خلافت راشدہ نے ایسی شاندار روایات قائم کیں کہ آج تک دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خدا خوفی اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ مسلم حکمران اپنی رعایا کی فلاح کا بھرپور خیال رکھا کرتے۔ آج بھی ملتِ اسلامیہ کا اصل مسئلہ مال و دولت، قدرتی وسائل اور سائنس و ٹیکنالوجی سے بڑھ کر، اپنی رعایا کی فلاح کی فکر، احساسِ ذمہ داری، خدا خوفی، للّٰہیت اور دیانت و امانت ہے، اور اس کے لیے مغرب کی طرف دیکھنے کی بجائے، اپنی تاریخ سے سنہری مثالیں نکال کر انہیں اپنانا ہو گا۔ اور جب بھی مسلمانوں کا کوئی طبقہ، ان اوصاف کا خوگر ہو جائے گا، چاہے وہ سیاسی قیادت ہو یا دینی قیادت، ملتِ اسلامیہ کا زوال پلٹ جائے گا۔ آج کا دور ایسے ہی ذمہ دار اور خدا ترس مسلم قیادت کی راہ تک رہا ہے۔

---

۱ عمر فاروق اعظم: ص ۳۴۳۔۳۴۴

magazine.mohaddis.com

عتیق امجد [1]
ڈاکٹر زاہدہ شبنم [2]

قاعد امام کی امامت میں نماز

بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کی امامت میں مقتدی نماز کیسے پڑھیں، بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر؟ یہ مسئلہ اہل علم کے ہاں مختلف فیہ ہے۔ اختلاف کی وجہ ذخیرۂ احادیث میں بظاہر مختلف روایات کا موجود ہونا ہے۔ ان روایات میں سے بعض ایسی ہیں جن میں رسولِ اکرم ﷺ کا بیٹھ کر جماعت کروانے کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھنا، آپ کا قاعد (بیٹھے) امام کی امامت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دینا اور کچھ صحابہ کرام کا آپ کی وفات کے بعد بھی اس پر عمل کرنا ہے، جبکہ بعض روایات میں آپ ﷺ کے بیٹھ کر نماز پڑھانے پر مقتدی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کا عمل بھی موجود ہے، لہٰذا اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔

ان دونوں قسم کی روایات میں سے ایک قسم کی روایات میں امام کی اقتدا لازم ہے اور امام کی اقتدا کے لازمی ہونے کے باعث امام کسی عذر کی وجہ سے جماعت بیٹھ کر کروائے تو مقتدیوں کے لیے لازم ہے کہ وہ بھی امام کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھیں۔ اس مفہوم کی احادیث مختلف مصادرِ حدیث میں موجود ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

① سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ »[3]

"اور جب وہ (امام) نماز بیٹھ کر پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔"

② سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کے پاس لوگ بیمار پرسی

---

۱ اسسٹنٹ پروفیسر... صدر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، جڑانوالہ
۲ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور
۳ صحیح مسلم: ۹۳۰

magazine.mohaddis.com

کے لیے حاضر ہوئے تو

فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسًا فَصَلُّوا بِصَلَاتِهِ قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا فَجَلَسُوا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اور اُنہوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کی تو آپ ﷺ نے اُنہیں اشارہ کیا کہ تم بیٹھ جاؤ، پس وہ بیٹھ گئے۔ جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو فرمایا: "بے شک امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ (رکوع سے) سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی (اس کی امامت میں) بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

③ سیدنا جابرؓ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی ...

«فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ وَهُوَ قَاعِدٌ وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ تَكْبِيرَهُ فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا فَرَآنَا قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْنَا..... الخ»[2]

"ہم نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس حال میں کہ آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور سیدنا ابو بکرؓ لوگوں کے لئے آپ ﷺ کی اتباع میں تکبیر کہہ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تو بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ ہم بیٹھ گئے اور ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ پس جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو فرمایا: "تم نے فارسیوں اور رومیوں کی طرح کیا، جب ان کے بادشاہ بیٹھے ہوں تو وہ کھڑے ہوتے ہیں، پس تم ایسا نہ کرو۔ تم اپنے ائمہ کی اقتدا کیا کرو، پس اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

④ سیدنا عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کی جماعت میں

---

۱ صحیح مسلم: ۴۱۲

۲ صحیح لمسلم: ۹۲۸؛ صحیح ابن حبان: ۲۱۰۹؛ سنن ابی داود: ۶۰۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكُمْ». قَالُوا: بَلَى نَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ قَالَ: «أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمِنْ طَاعَةِ اللهَّ طَاعَتِي؟» قَالُوا بَلَى، نَشْهَدُ أَنَّهُ مَنْ أَطَاعَكَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَّ وَمِنْ طَاعَةِ اللهَّ طَاعَتُكَ. قَالَ: «فَإِنَّ مِنْ طَاعَةِ اللهَّ أَنْ تُطِيعُونِي وَمِنْ طَاعَتِي أَنْ تُطِيعُوا أُمَرَاءَكُم وإن صَلُّوا قعُودًا فَصَلُّوا قعودًا»[1]

"کیا تم جانتے نہیں ہو کہ بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ انہوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے نہیں ہو کہ جس نے میری اطاعت کی، تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی اور میری اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں کہ جس نے آپ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور اللہ کی اطاعت میں سے ہی آپ کی اطاعت ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی اطاعت یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور میری اطاعت یہ ہے کہ تم اپنے اُمرا کی اطاعت کرو۔ پس اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھائیں تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

⑤ سیدنا اُسید بن حضیرؓ سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کی امامت کروایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے...

فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ إِمَامَنَا مَرِيضٌ، فَقَالَ: «إِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا»[2]

"تو لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارا امام بیمار ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جب وہ (امام) بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی (اس کی اقتدا میں) بیٹھ کر نماز پڑھو۔"

مندرجہ بالا روایات سے واضح ہوتا ہے کہ نماز میں امام کی اقتدا لازمی ہے اور امام کی متابعت و موافقت ضروری ہے اور اگر امام کسی بھی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی

---

۱ صحیح ابن حبان: ۲۱۰۹

۲ سنن ابی داود: ۶۰۷ ... قَالَ أَبُو دَاوُد: وَهٰذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

امام کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھیں لیکن مندرجہ بالا روایات کے برعکس مصادرِ حدیث میں اس کے متضاد روایات بھی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور سیدنا ابو بکرؓ اور باقی صحابہؓ نے آپ ﷺ کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی، چنانچہ صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے:

① قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ، فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ...» الخ[1]

"جب رسول اللہ ﷺ پر بیماری شدت اختیار کر گئی تو سیدنا بلالؓ آپ کو نماز کی خبر دینے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سیدنا ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو جماعت کروائے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بے شک ابو بکر ایک نرم دل آدمی ہیں اور وہ آپ کے مقام (مصلیٰ) پر کھڑے نہیں ہوں گے اور لوگوں کو اُن کی آواز نہیں سنائی دے گی، اس لئے آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے تو بہتر ہوتا۔ آپ نے فرمایا: تم سیدنا ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو جماعت کروائے۔ میں نے سیدہ حفصہؓ کو کہا کہ وہ بھی نبی کریم ﷺ سے کہیں، سو حفصہ نے بھی (یہ بات) نبی کریم ﷺ کو کہی جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم یوسفؑ کی خواتین کی طرح ہو۔ پس جب نماز شروع ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس میں آسانی محسوس کی۔ پس آپ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور آپ کے پاؤں زمین پر نشان ڈال رہے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ مسجد (نبوی ﷺ) میں داخل ہوئے۔ جب سیدنا ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کی آہٹ پائی تو پیچھے ہٹنا شروع کیا تو رسول اللہ ﷺ انہیں (ٹھہرنے کا) اشارہ کیا تو رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ آپ ﷺ سیدنا ابو بکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے۔ چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے، سیدنا ابو بکرؓ آپ ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ سیدنا ابو بکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے۔"

② عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْتُ أَلَا تُحَدِّثِينِي عَنْ

[1] صحیح بخاری: ۷۱۳؛ صحیح مسلم: ۹۳۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مَرَضِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَتْ: بَلَى ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ... الخ[1]

"عبید اللہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کاش آپؓ رسول اللہ ﷺ کی مرض الموت کی حالت میرے سامنے بیان کریں تو سیدہ عائشہؓ نے فرمایا: کیوں نہیں ضرور سنو، جب آپ ﷺ کی مرض شدت اختیار کر گئی تو آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی نہیں یارسول اللہ ﷺ وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے مِخْضَب (برتن) میں پانی رکھ دو۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں: پس ہم نے پانی رکھ دیا اور آپ ﷺ نے غسل کیا پھر آپ ﷺ چلنے لگے / اٹھنے لگے تو آپ ﷺ پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ (یہی مکالمہ مزید دو بار ہوا) آخر میں آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکرؓ کے پاس آدمی بھیجا اور حکم فرمایا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ بھیجے ہوئے شخص نے آکر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ سیدنا ابو بکرؓ بڑے نرم دل انسان تھے، انہوں نے سیدنا عمرؓ کو فرمایا کہ تم نماز پڑھاؤ لیکن سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ آخر (بیماری کے) دنوں میں سیدنا ابو بکرؓ نماز پڑھاتے رہے پھر جب نبی کریم ﷺ کو مزاج کچھ ہلکا معلوم ہوا تو آپ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لے کر جن میں سے ایک سیدنا عباسؓ تھے، ظہر کی نماز کے لیے گھر سے باہر تشریف لائے اور ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے پس جب سیدنا ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں اشارے سے اُنہیں روکا کہ پیچھے نہ ہٹو! پھر آپ ﷺ نے ان دونوں مردوں سے کہا مجھے ابو بکرؓ کے بازو بٹھا دو، چنانچہ دونوں نے آپ ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ کے بازو میں بٹھا دیا۔ راوی نے کہا کہ پھر ابو بکرؓ آپ ﷺ کی پیروی کر رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔"

مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے اہل علم کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے

---

1 صحیح بخاری: ٦٨٧

اور درج ذیل چار آراء سامنے آتی ہیں:

① قاعد امام کے اقتدا میں مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں گے۔ اس قول کے قائلین میں سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا اسید بن حضیر، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا قیس بن فہد رضی اللہ عنہم وغیرہ اور امام احمد بن حنبل، اسحٰق اور امام اوزاعی وغیرہ شامل ہیں۔[1]

② امام بیٹھ کر جماعت کروا ہی نہیں سکتا، اگر امام کو کوئی عذر یا بیماری وغیرہ لاحق ہو تو وہ امامت کے لیے اپنا نائب بنائے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا موقف ہے۔[2]

③ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ امام کسی عذر وغیرہ کی بنا پر بیٹھ کر جماعت کروا سکتا ہے لیکن مقتدی قاعد امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ اس نظریہ کے حاملین میں سے امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ بن مبارک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی رحمہم اللہ، اہل الحدیث اور اصحاب الرائے وغیرہ شامل ہیں۔[3]

④ بعض اہل علم ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دیتے ہوئے یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر امام کھڑے ہو کر نماز کی ابتدا کرے اور اثنائے نماز میں کسی عذر یا ضرورت کی بنا پر امام کو بیٹھنا پڑ جائے تو بیٹھ سکتا ہے لیکن مقتدی کھڑے رہیں گے اور اگر امام بیٹھ کر نماز کی ابتدا کرے تو مقتدی بھی امام کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھیں گے، دوسری تطبیق کی یہ صورت بھی بتائی گئی ہے کہ قاعد امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنا مستحب ہے اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا بیانِ جواز کے لیے ہے یعنی کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ»[4] وجوب پر دلالت کرتی ہے جبکہ دوسری حدیث (مرض الوفات والی نماز) استحباب پر دلالت کرتی ہے اور وجوب کو منسوخ کرتی ہے۔

---

۱ شرح مسلم از امام نووی ۲/۱۵۸۹

۲ صحیفہ ہمام بن منبہ: ص۱۴۹

۳ شرح مسلم از امام نووی: ۲/۱۵۸۹

۴ صحیح بخاری: ۷۲۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

یہ تطبیق امام احمد اور ان کے اصحاب نے دی ہے نیز امام ابن خزیمہ ، ابن حبان اور ابن منذر بھی اسی موقف کے قائل ہیں۔[1]

اب اہل علم کی ان چاروں مختلف آرا کے دلائل کا تجزیہ کیا جاتا ہے:

① جن اہل علم کا یہ موقف ہے کہ قاعد امام کے پیچھے مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں گے وہ آغاز میں سیدہ عائشہؓ سے مروی (حدیث نمبر ۲) سے استدلال کرتے ہیں، جس میں امام کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔ سو امام کی اقتدا کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدی امام کی نماز کے تمام احوال میں متابعت کرے کیونکہ امام کی متابعت کرنا واجب ہے اور مقارنت، مسابقت اور مخالفت کرنا متابعت کی نفی ہو گا، لہٰذا اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائیں تو امام کی اتباع میں مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں چنانچہ نبی ﷺ گھوڑے سے گرے تو آپ ﷺ نے زخمی ہونے کی بنا پر جب بیٹھ کر نماز پڑھی تو صحابہ کرامؓ نے بھی آپ ﷺ کی اتباع میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں مندرجہ بالا حکم دیا۔

اس قول کے قائل آغاز میں مذکور سیدنا اسیدؓ کے واقعہ (حدیث نمبر ۵) سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے بیٹھے ہوئے امام کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ نیز اس قول کے دلائل میں سیدنا جابر کی حدیث (نمبر ۳)، اور سیدنا ابو ہریرہ کی حدیث (نمبر ۱) بھی شامل ہیں۔

اس نظریہ کے حامی سیدنا جابر، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا قیس بن فہد اور سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم کے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے کے موقف کو پیش کرتے ہوتے کہتے ہیں کہ اگر قاعد امام کی امامت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی ممانعت ہوتی یا پھر یہ روایات منسوخ ہوتیں تو مندرجہ بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیونکر نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اس طرح نماز پڑھتے اور پڑھاتے اور صحابہؓ کا اس طرح نماز پڑھانا صحیح اسانید کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔[2]

ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سیدنا ابو ہریرہؓ کا نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد یہی فتویٰ

---

۱ صحیفہ ہمام بن منبہ: ص ۱۵۰؛ المغنی از ابن قدامہ: ۲/ ۴۸-۴۹

۲ فتح الباری: ۲/ ۲۲۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تھا اور سیدنا جابرؓ اور سیدنا اسیدؓ نے بیماری کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور مقتدیوں کو بیٹھنے کا حکم دیا۔[1]

امام ابن منذرؒ کہتے ہیں کہ صحابی اپنی مروی عنہ کو زیادہ جانتا ہوتا ہے اور چار صحابہؓ کا ان احادیث (نبی کریم ﷺ کی امامت میں مقتدیوں کا بیٹھ کر نماز پڑھنے والی) کو بیان کرنا، پھر اس کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد عمل کرنا اور اس کے مطابق فتویٰ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ قاعد امام کی اتباع میں مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر نماز ادا کرنا ہوگی۔[2]

امام ابن حبان نے تو اس پر صحابہؓ کے اجماعِ سکوتی کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ چار صحابہ کرامؓ کا اس پر عمل اور کسی ایک صحابیؓ سے بھی اس کے خلاف عمل یا فتویٰ کا ثابت نہ ہونا صحابہ کرامؓ کے اجماع کی دلالت کرتا ہے۔[3]

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔[4]

② اس مسئلہ میں دوسرا موقف امام مالک اور امام حسن بصری کا ہے جو قاعد امام کی امامت کے جواز کے ہی قائل نہیں ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ امام وقت جب بیمار ہو یا کسی عذر کی بنا پر جماعت کھڑے ہو کر نہ کروا سکے تو امام کو اپنا نائب بنانا چاہیے اور وہ خود جماعت نہ کروائے۔[5] آپ اپنے اس موقف کے حق میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے خود نماز پڑھانے کے بجائے سیدنا ابو بکرؓ کو اپنا خلیفہ بنایا اور حکم دیا کہ وہ ان کی جگہ امامت کا فریضہ سرانجام دیں اور وہ آخری مرض الموت والی حدیث پیش کرتے ہیں۔[6]

جبکہ سیدنا ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں سترہ نمازوں کی امامت کروائی ہے۔

---

۱ ایضاً
۲ ایضاً
۳ فتح الباری: ۲/۲۲۹
۴ فتح الباری: ۲/۲۲۹
۵ صحیفہ ہمام بن منبہ ص: ۱۴۹
۶ صحیح بخاری: ۷۱۳؛ صحیح مسلم: ۹۳۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ان سترہ نمازوں میں سے ایک میں آپ ﷺ نے صرف ایک بار بیٹھ کر نماز پڑھائی ہے۔ امام مالک یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

فأما ماروي من قوله: «إذا صلى الإمام جالسا فصلوا جلوسا أجمعين» فقد روي ذلك وقد جاء ما قد نسخه[1]

آپ ﷺ سے جو یہ مروی ہے «إذا صلى الإمام جالسا فصلوا جلوسا أجمعين» کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، تو اس کا نسخ بھی تو آچکا ہے۔

امام حازمی لکھتے ہیں:

"فقالت طائفة: لا يؤم القاعد القائمين. فإن صلوا لم يجزهم وبه قال مالك و محمد بن الحسن[2]

"ایک جماعت کہتی ہے کہ قاعد امام کھڑے مقتدیوں کی امامت نہ کروائے، اگر انہوں نے قاعد امام کے پیچھے نماز پڑھ لی تو ان سے کافی نہیں ہوگی، امام مالک اور محمد بن حسن نے بھی یہی کہا ہے۔"

③ اس سلسلہ میں تیسرا موقف جمہور اہل علم جن میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی، عبداللہ بن مبارک اور اصحاب ائمہ کے ساتھ اہل الحدیث کا ہے، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ جمہور اہل علم اپنے موقف کے حق میں رسول اکرم ﷺ کی مرض الموت والی آخری نماز کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے جب یہ آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی تو سیدنا ابو بکرؓ اور تمام مقتدی صحابہؓ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ سیدہ عائشہؓ سے مروی اس حدیث کا متن و ترجمہ پیچھے مضمون کے چوتھے صفحہ پر بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ اس موقف کے حاملین کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قیام پر قادر نمازی بیٹھ کر نماز ادا کر ہی نہیں سکتا، رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ: «صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا. فَإِنْ لَمْ

---

۱ موطا امام محمد شیبانی: ص ۱۱۷

۲ حازمی، الاعتبار، ص: ۱۰۹

magazine.mohaddis.com

تَسْتَطِعْ، فَعَلَى جَنْبٍ»[1]

"سیدنا عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر کی شکایت تھی، میں نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا: تو آپ نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو پر لیٹ کر پڑھ لو۔

۳۔ اگر قاعد امام کی اتباع میں مقتدیوں کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا پہلا حکم بدستور جاری ہوتا تو رسول اکرم ﷺ اس نماز کے اعادہ کا حکم دیتے لیکن آپ ﷺ نے اعادہ کا حکم نہیں دیا جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پہلا حکم (جو گھوڑے سے گرنے پر نماز پڑھائی یا گھر میں نماز پڑھائی) « فإذا صلى جالسا فصلوا» منسوخ ہے اور آپ ﷺ کی اقتدا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ناسخ ہے۔

④ مسئلہ زیر بحث میں چوتھا موقف امام احمد بن حنبل کا ہے جنہوں نے دونوں مختلف و متضاد قسم کی روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں آپ ﷺ نے «فاذا صلى جالسا فصلّوا جلوسا» ارشاد فرمایا ہے وہ وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ امر برائے استحباب ہے۔ لہٰذا اگر امام کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن قعود (کھڑے ہونے) کی صورت اولیٰ ہے۔[2]

امام احمد نے اس کے علاوہ اس طرح بھی تطبیق دینے کی کوشش کی ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز کی ابتدا کرے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں لیکن اگر امام کھڑے ہو کر نماز کا آغاز کرتا ہے اور اثنائے نماز کسی ضرورت یا عذر کی بنا پر اسے بیٹھنا پڑ گیا ہو تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز ادا کریں گے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا انسؓ کی حدیث کے مطابق بیٹھ کر نماز پڑھائی تو صحابہ کرامؓ نے بھی بیٹھ کر پڑھی لیکن آخری نماز میں سیدنا ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر شروع کی تو مقتدیوں نے بھی نبی کریم ﷺ کے بیٹھنے کے باوجود کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

---

۱ صحیح بخاری: ۱۱۱۷

۲ فتح الباری: ۲/۲۲۸-۲۲۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

مذکورہ تمام آراء و دلائل نقل کرنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ان آرا میں جمہور اہل علم کی رائے و موقف درست اور حقیقت پر مبنی ہے کہ قاعد امام کی امامت میں قیام پر قادر مقتدی کھڑے ہو کر نماز ادا کریں گے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی امامت میں صحابہ کرامؓ کا بیٹھ کر نماز پڑھنا اور نبی اکرم ﷺ کا اُنہیں «فإذا صلى فصلوا جلوسا أجمعين» کا حکم دینا منسوخ ہے۔اس حکم نبوی ﷺ کے منسوخ ہونے کی متعدد وجوہ ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ نماز میں قیام فرض ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾﴾[1]

''اور اللہ کے لئے فرمانبردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔''

قیام پر قادر شخص کھڑے ہو کر ہی قیام کرے گا اور قیام پر قادر نمازی بیٹھ کر نماز ادا نہیں کر سکتا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جیسا کہ پیچھے عمران بن حصین کی مرض بواسیر والی حدیث گزر چکی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کا صریح فرمان موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے قیام پر قادر ہونے کے سبب کبھی بیٹھ کر نماز ادا نہیں کی البتہ زندگی کے آخری سال نفل بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے چنانچہ سیدہ حفصہؓ کی روایت ہے کہ

مَا رَأَيْتُ رَسُولَ الله ﷺ فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا حَتَّى كَانَ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِعَامٍ فَإِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا وَيَقْرَأُ بِالسُّورَةِ وَيُرَتِّلُهَا حَتَّى تَكُونَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا[2]

''میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی بھی بیٹھ کر نفلی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، حتی کہ وفات سے ایک سال پہلے تک (ایسا ہی تھا، پھر آخری سال) آپ بیٹھ کر نفلی نماز بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے اور کوئی سورۃ پڑھتے تھے اور اسے ترتیل سے پڑھتے حتی کہ وہ اپنی اصل طوالت سے بھی زیادہ لمبی ہو جاتی۔''

امام بخاری نے سیدہ عائشہؓ کی روایت ان الفاظ سے بیان کی ہے:

---

۱ سورۃ البقرۃ: ۲۳۸

۲ جامع ترمذی: ۳۷۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتَّى أَسَنَّ فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِينَ آيَةً أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً ثُمَّ رَكَعَ[1]

"سیدہ عائشہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے راوی کو بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ کو رات کی نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے کبھی بھی نہیں دیکھا، حتی کہ آپ عمر رسیدہ ہوگئے، بڑھاپے میں آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے، حتی کہ جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے اور تیس یا چالیس کے قریب آیات پڑھ کر رکوع کر لیتے۔"

رسول اکرم ﷺ نے تو طاقت رکھنے والے نمازی کے نفل نماز میں کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر ادا کرنے کو نصف اجر کا حقدار قرار دیا ہے۔[2]

اس حدیث کے الفاظ «فان لم تستطع» کے متعلق امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"استدل به من قال لا ينتقل المريض إلى القعود إلا بعد عدم القدرة على القيام وقد حكاه عياض عن الشافعي وعن مالك وأحمد وإسحاق لا يشترط العدم بل وجود المشقة والمعروف عند الشافعية أن المراد بنفي الاستطاعة وجود المشقة الشديدة بالقيام أو خوف زيادة المرض أو الهلاك ولا يكتفى بأدنى مشقة..."[3]

"اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ مریض کو قیام پر قادر نہ ہونے کی صورت کے علاوہ بیٹھ کر نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ قاضی عیاض نے امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق سے یہی روایت کیا ہے کہ عدم قیام کی شرط نہیں ہے، بلکہ مشقت کا وجود ہے، اور شافعیہ کے ہاں معروف ہے کہ عدم استطاعت سے مراد شدید مشقت، مرض کی زیادتی کا اندیشہ یا ہلاکت ہے، ہلکی مشقت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔"

۱ صحیح بخاری: ۱۱۱۸
۲ جامع ترمذی: ۳۷۱
۳ فتح الباری: ۲/۷۵۸-۷۵۹

magazine.mohaddis.com

۲۔سیدنا ابوھریرہؓ، سیدنا انسؓ اور سیدہ عائشہؓ وغیرہ کی وہ روایات، جن میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان «فإذا صلى فصلوا جلوسا أجمعين» موجود ہے، آپ ﷺ کے گھوڑے سے گرنے کی بنا پر آپ ﷺ کے زخمی ہونے کی بنا، پر بیٹھ کر نماز پڑھانے اور مقتدیوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ واقعہ ۵ھ کا ہے جبکہ حضرت عائشہؓ کی روایت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتَّى أَسَنَّ فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِينَ آيَةً أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً ثُمَّ رَكَعَ[1]

آپ ﷺ کی مرض الموت کا واقعہ ہے اور یہ ۱۱ھ میں آپ ﷺ کی آخری نماز ہے۔[2]

جس میں آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور آپ ﷺ کی اقتدا میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور باقی مقتدی صحابہ کرامؓ کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ۵ھ کا عمل اور آپ ﷺ کا ارشاد منسوخ ہے، اگر منسوخ تسلیم نہ کریں تو پھر لازم آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ سے نماز کا اعادہ کرواتے لیکن آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے نماز کا اعادہ نہیں کروایا کیونکہ یہاں امام کی اتباع میں بیٹھنے کی بجائے مقتدیوں نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔

۳۔اگر قاعد امام کی اتباع میں مقتدیوں کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا پہلا حکم بدستور جاری ہوتا تو رسول اکرم ﷺ اس نماز کے اعادہ کا حکم دیتے لیکن آپ ﷺ نے اعادہ کا حکم نہیں دیا جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پہلا حکم (جو گھوڑے سے گرنے پر نماز پڑھائی یا گھر میں نماز پڑھائی) « فإذا صلى جالسا فصلوا » منسوخ ہے اور آپ ﷺ کی اقتدا میں صحابہ کرامؓ کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ناسخ ہے۔

۴۔انہیں وجوہ کی بنا پر جمہور اہل علم نے اس حدیث کو منسوخ اور سیدہ عائشہؓ کی روایت کو ناسخ قرار دیا چنانچہ ان اہل علم میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے:

---

۱ صحیح بخاری: ۱۱۱۸

۲ فتح الباری، ص: ۲۲۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قاعد امام کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم منسوخ قرار دینے والے ائمہ

① سیدنا ابوہریرہؓ کی مندرجہ بالا روایت کو جمہور اہل علم مثلاً امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ نے منسوخ قرار دیا ہے۔[1]

② امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل بخاری اور ان کے استاد گرامی شیخ حمیدی نے بھی منسوخ قرار دیا ہے چنانچہ جامع صحیح بخاری میں سیدنا انس بن مالکؓ کی حدیث «فإذا صلى فصلوا جلوسا أجمعين» لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

قال الحميدي: قوله: «إذا صلى جالسا فصلوا جلوسا» هو في مرضه القديم، ثم صلى بعد ذلك النبي صلى الله عليه وسلم جالسا، والناس خلفه قياما، لم يأمرهم بالقعود، وإنما يؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبي ﷺ[2]

"امام حمیدی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان «إذا صلى جالسا فصلوا جلوسا» آپ کی قدیم بیماری کی حالت میں تھا، پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، آپ نے انہیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ اور (اصول یہی ہے کہ) نبی کریم ﷺ کے آخری سے آخری عمل کو لیا جاتا ہے۔"

③ امام جعفر احمد بن طحاوی حنفی لکھتے ہیں:

"نظر صحیح کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر مقتدی کو عذر نہ ہو تو اس سے قیام ساقط نہیں ہو گا کیونکہ جب مقتدی امام کی نماز میں داخل ہو تو جو چیز مقتدی پر فرض ہو، وہ امام کی نماز میں داخل ہونے سے ساقط نہیں ہوتی، جب مقیم مثلاً ظہر کی نماز مسافر امام کی اقتدا میں پڑھے تو اس پر چار رکعت نماز پڑھنی چاہئے اور مسافر دو رکعت نماز پڑھ کر سلام پھیر دیتا ہے اور اس کی اقتدا کرنے سے مقیم پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بھی دو رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیرے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ دو رکعت نماز اور پڑھے اور

---

1 فتح الباری: ۲/ ۲۲۷-۲۳۰

2 صحیح بخاری: ۶۸۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اس پر جو چار رکعت نماز ظہر فرض تھی، اس کو پورا کرے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ مقتدی پر وہ چیز فرض ہے، وہ امام کی اقتدا کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی پس جو مقتدی تندرست ہو اس پر نماز میں قیام فرض ہے اور بیمار امام جو قیام پر قادر نہ ہو، اس کی اقتدا کرنے کی وجہ سے سیدنا ابو بکرؓ اور دوسرے نمازیوں سے قیام ساقط نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور سیدنا ابو بکرؓ نے اور باقی نمازیوں نے کھڑے ہو کر پڑھی۔"[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام طحاوی کے نزدیک بھی سیدنا ابوہریرہؓ اور سیدنا انسؓ والی حدیث منسوخ ہیں اور سیدہ عائشہ کی مذکورہ حدیث ان کی ناسخ ہے۔

④ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی ابوہریرہؓ والی حدیث منسوخ اور سیدہ عائشہؓ کی حدیث کو ناسخ قرار دیا ہے اور تمام مذکورہ آرا بیان کرنے کے بعد ان کے دلائل کا رد کیا ہے۔[2]

⑤ صحیح مسلم کے ابواب کی تبویب میں امام نووی نے سیدنا ابوہریرہ وغیرہ والی قاعد امام کی امامت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والی احادیث کو منسوخ سمجھتے ہوئے ہی ان الفاظ میں باب قائم کیا ہے:

باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر وغيرهما من يصلي بالناس وأن من صلى خلف إمام جالس لعجزه عن القيام لزمه القيام إذا قدر عليه ونسخ القعود خلف القاعد في حق من قدر على القيام[3]

"امام کے نائب بنانے کا باب جو لوگوں کو نماز پڑھائے جب امام کو مرض، سفر وغیرہ جیسے عوارض لاحق ہوں، اور جو شخص کسی معذور قاعد امام کے پیچھے نماز پڑھے اگر وہ قدرت رکھتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرے، قاعد امام کے پیچھے کھڑے ہونے کی قدرت رکھنے والے کے لئے بیٹھنا منسوخ ہے۔"

---

۱ نعمۃ الباری: ۲/ ۵۶۸-۵۶۹؛ شرح معانی الآثار از امام طحاوی: ۱/ ۵۲۵

۲ فتح الباری: ۲/ ۲۲۴-۲۳۱

۳ صحیح مسلم: ۴۴۷

magazine.mohaddis.com

اس باب میں سیدہ عائشہؓ کی روایت بیان کی گئی ہے جس میں آپ ﷺ کی مرض الموت والی نماز کا ذکر کیا ہے اور اس میں واضح الفاظ ہیں کہ

وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي وَهُوَ قَائِمٌ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ[1]

''سیدنا ابو بکر نبی کریم ﷺ کی امامت میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور لوگ سیدنا ابو بکر کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے، جبکہ نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔''

امام نووی نے لکھا ہے کہ امام مالک کی ایک روایت کے مطابق ''جو شخص کھڑا ہونے پر قادر ہو، اس کی نماز بیٹھنے والے امام کے پیچھے صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔''[2]

⑥ امام خطابی بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے والی احادیث کو منسوخ تصور کرتے ہیں:

وفي اقامة رسول الله ﷺ ابابكرعن يمينه وهو مقام المأموم وفي تكبيره بالناس وتكبيره أبي بكر بتكبيره بيان واضح أن الإمام في هذه الصلوة رسول الله ﷺ وقد صلى قاعدا والناس من خلفه قيام وهي آخر صلوة صلاها بالناس الخ[3]

''نبی کریم ﷺ کا سیدنا ابو بکر کو اپنے دائیں جانب کھڑا کرنا جو مقتدی کا مقام ہے، اور سیدنا ابو بکر کا آپ کی تکبیرات پر تکبیرات کہنا ایک واضح امر ہے۔ اس نماز میں امام نبی کریم ﷺ تھے اور آپ نے یہ نماز بیٹھ کر پڑھی تھی، جبکہ سیدنا ابو بکر اور باقی لوگوں نے کھڑے ہو کر پڑھی تھی، اور یہ نبی کریم ﷺ کی آخری نماز تھی۔''

⑦ علامہ محمود بن احمد عینی نے بھی قاعد امام کی امامت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے والے حکم کو منسوخ کہا ہے اور دلائل دیتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں:

''اس قاعدہ پر سب کا اتفاق ہے کہ جب مقتدی امام کی نماز میں داخل ہو تو جو چیز اس پر

---

۱ ایضاً، ح:۹۳۶، ص:۷۴۴
۲ شرح مسلم للنووی: ۲/ ۱۵۸۹
۳ عون المعبود شرح سنن ابی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

پہلے فرض نہ ہو تو امام کی نماز میں داخل ہونے سے وہ چیز اس پر فرض ہو جاتی ہے جیسے مسافر مثلاً مقیم امام کی اقتدا میں ظہر کی نماز پڑھے تو پہلے اس پر چار رکعت نماز پڑھنی فرض نہیں تھی مگر اب مقیم امام کی اقتدا کرنے کی وجہ سے اس پر بھی چار رکعت پڑھنا فرض ہو گئی۔ اس طرح جو چیز اس پر پہلے فرض تھی اب امام کی اقتدا سے وہ فرض اس سے ساقط نہیں ہو گا مثلاً مقیم نے مسافر امام کی اقتدا میں ظہر کی نماز پڑھی تو پہلے اس پر چار رکعت نماز فرض تھی اور مسافر امام نے دو رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیا تو مقیم مقتدی سے دو رکعت پڑھنے کی فرضیت ساقط نہیں ہو گی، اسی طرح جب صحت مند شخص بیمار کی اقتدا میں نماز پڑھے گا تو امام کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی وجہ سے صحت مند شخص سے قیام کی فرضیت ساقط نہیں ہو گی۔"[1]

بعض اعتراضات اور ان کی وضاحت

اعتراض نمبر ۱: نماز کے احوال میں امام کی متابعت ضروری ہے اور اگر امام نماز بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی بھی نماز بیٹھ کر پڑھیں؟

وضاحت: یہ درست ہے کہ نماز کے تمام احوال میں امام کی متابعت ضروری ہے، البتہ کسی شرعی دلیل کی بنا پر امام کی مخالفت ہو سکتی ہے جیسے امام قیام کھڑے ہونے کی صورت میں کرتا ہے لیکن کوئی مقتدی امام کے پیچھے کسی عذر کی بنا پر اس کی اقتدا میں بیٹھ کر 'قیام' کر سکتا ہے اور اسی طرح رکوع و سجود بھی اشاروں سے کر سکتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہؓ، سیدنا انسؓ اور سیدہ عائشہؓ کی روایات ۵ھ کی ہیں جبکہ سیدہ عائشہؓ کی نبی مکرم ﷺ کی مرض الموت والی روایت ۱۱ھ کی ہے جو نبی مکرم ﷺ کی آخری نماز ہے جس میں سیدنا ابو بکرؓ اور دیگر مقتدی صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے بیٹھنے کے باوجود کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ یہ اس بات پر دلالت کرتی کہ یہاں شرعی دلیل (نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ کی امامت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور آپ ﷺ کا ان کو اعادہ کرنے کا حکم نہ دینا) ہے لہذا یہاں متابعت ضروری نہ تھی کیونکہ امام کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں

---

۱ نخب الافکار فی تنقیح حبانی الاخبار فی شرح شرح معانی الآثار: ۲/ ۱۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی

magazine.mohaddis.com

جیسا کہ پیچھے عمران بن حصین کی بواسیر کے مرض والی روایت گزر چکی ہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ تیمم کرنے والے کی امامت میں متوضی نماز پڑھ سکتا ہے تو یہاں متابعت نہیں ہوئی، اس لئے امام نے پانی دستیاب نہ ہونے کی بنا پر یا کسی اور عذر کی بنا پر تیمم کیا تھا جبکہ مقتدی بغیر کسی عذر کے کس طرح تیمم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جرابوں / عمامہ پر مسح کرنے والے امام کی اقتدا میں پاؤں دھونے والے اور ننگے سر کا مسح کرنے والے مقتدی نماز کی ہو جاتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور سیدنا ابوہریرہؓ کی روایت منسوخ اور سیدہ عائشہؓ کی روایت ناسخ ہے۔

اعتراض نمبر ۲: بیٹھ کر نماز پڑھانا نبی کریم ﷺ کا خاصہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو بیٹھ کو نماز پڑھانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَؤُمَّنَّ بعدي جالسا»

وضاحت: نبی اکرم ﷺ کا خاصہ ہونے کے لئے شرعی دلیل ضروری ہے جبکہ یہاں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد «لَا يَؤُمَّنَّ بعدي جالسا» ثابت نہیں ہے کیونکہ یہ روایت ضعیف ہونے کی بنا پر دلیل نہیں بن سکتی، اس روایت میں جابر جعفی راوی کذاب ہے۔[1] نیز ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ روایت مرسل بھی ہے اور مرسل تابعی حجت نہیں ہے۔[2] اس روایت کے متعلق ابن بزیزہ لکھتے ہیں:

"لوصحّ لم يكن فيه حجة لأنه يحتمل أن يكون المراد وضع الصلوة بالجالس أي يعرب قوله جالسا مفعولا لأجله" [3]

"اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو حجت نہیں ہے کیونکہ یہ احتمال رکھتی ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ بیٹھنے کی وجہ نماز کو ترک کر دینا..."

اعتراض نمبر ۳: بعض اہل علم نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی آخری نماز جس میں آپؐ جماعت کے دوران ملے تھے، اس میں آپ ﷺ امام نہیں تھے بلکہ سیدنا ابو بکرؓ نے امامت کا فریضہ

---

۱ فتح الباری: ۲/ ۲۲۷

۲ ابن حجر عسقلانی، فتح نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفقہ، ص: ۶۳-۶۴، وفاقی وزارت تعلیم حکومت پاکستان، ۱۹۸۷ء

۳ فتح الباری: ۲/ ۲۲۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

سرانجام دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ مسروق نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی امامت میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔[1]

وضاحت: یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ امام نبی اکرم ﷺ ہی تھے، نہ کہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ چنانچہ سیدہ عائشہؓ کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ

فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي قَاعِدًا يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالنَّاسُ مُقْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ[2]

اس طرح نبی اکرم ﷺ کے امام ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وہاں سے قرات شروع کی جہاں حضرت ابو بکرؓ نے چھوڑی تھی۔ اور اس لئے بھی یہ بات درست نہیں ہے کہ قرآن مجید میں خالق کائنات نے نبی اکرم ﷺ سے آگے بڑھنے کو منع کر دیا ہے۔ ارشاد ہے کہ ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُولِهِ ﴾[3]

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بار حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور ایک بار حضرت ابو بکرؓ کی امامت میں نمازیں ادا کی تھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی امامت میں اس لئے نمازیں پڑھی تھیں کہ جب نبی اکرم ﷺ ان نمازوں کو ملے تو ایک رکعت ادا کی جا چکی تھی لیکن اس آخری نماز میں ابھی پہلی رکعت کے قیام پر ہی تھے کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے اور جماعت کروائی۔[4]

اعتراض نمبر ۴: چار صحابہ کرامؓ: حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت قیس بن فہدؓ کا فتویٰ اور ان کا عمل قاعد امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ہے اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے عمل کی مخالفت کرتے؟

---

۱ فتح الباری
۲ صحیح بخاری: ۷۱۳
۳ سورۃ الحجرات: ۱
۴ صحیح مسلم: ۱۰۵

وضاحت: یہ اعتراض اس لئے اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے عمل اور ان کی موجودگی میں تمام موجود صحابہ کرامؓ کا عمل ان چاروں صحابہؓ کے خلاف ہے، اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور حضرت ابو بکرؓ سمیت تمام مقتدی صحابہ کرامؓ نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی (حوالہ مذکورہ) اور نبی اکرم ﷺ نے انہیں اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ صحابہ کرام ﷺ کا عمل اس وقت حجت ہوتا ہے جب قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ سے کوئی مسئلہ ثابت نہ ہو، قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ .... ﴾[1]

لہٰذا صحابہ کرامؓ کے عمل وفتویٰ کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام ابن حبان کا اس مسئلہ پر اجماعِ صحابہؓ کا دعویٰ باطل ہے، ویسے بھی حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ کی روایت (جس میں آپ ﷺ کی مرض الموت کی آخری نماز کا ذکر ہے) سن کر نبی اکرم ﷺ کے بیٹھے ہونے اور مقتدیوں کے کھڑے ہونے کے متعلق کوئی انکار نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ اس حدیث کو ناسخ سمجھتے تھے تو اجماعِ صحابہؓ کیسے ہو گیا۔

اعتراض نمبر۵: امام احمد ان دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دینے کی کوشش اس لئے قابل تسلیم نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے بیٹھ کر نماز پڑھانے اور صحابہؓ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دینا ۵ھ کا واقعہ ہے جبکہ آپ ﷺ کا بیٹھ کر نماز پڑھنا اور صحابہ کرامؓ کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ۱۱ھ کا واقعہ اور آپ ﷺ کی آخری نماز کا واقعہ ہے اور یہ کہ کھڑے ہونے کی طاقت رکھنے والے کی بیٹھ کر نماز نہ ہونے پر نبی اکرم ﷺ کا درج ذیل فرمان موجود ہے:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ[2]

لہٰذا یہ تمام اعتراضات مسترد ہیں اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت منسوخ اور سیدہ عائشہؓ کی روایت ناسخ ہے۔

---

۱ سورۃ النساء: ۵۹

۲ صحیح بخاری: ۱۱۱۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

قسط سوم (آخری)

حلالۂ ملعونہ مروّجہ کا قرآن سے جواز؟

پس نوشت

مضمون کی تکمیل کے بعد چند مزید چیزیں اور نظر سے گزریں یا علم میں آئیں، مناسب معلوم ہوتا ہے وہ بھی نذرِ قارئین کر دی جائیں۔ ان میں سے ایک خود مولانا تقی عثمانی صاحب کا فرمودہ ہے کہ حیلے سے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، جب کہ حلالۂ ملعونہ کے جواز کی ساری بنیاد ہی حیلے پر ہے، تعجب ہے کہ محولہ فتوے کے باوجود موصوف حلالۂ ملعونہ کو حیلوں اور باطل تاویلوں سے حلال کر کے دین کو کیوں بازیچۂ اطفال بنا رہے ہیں؟

دوسرا، ایک مضمون جو 'معارف' اعظم گڈھ (بھارت) میں آج سے چند سال قبل شائع ہوا تھا، ہمارے ایک فاضل دوست وحید احمد صاحب نے لا کر دکھایا جو پاک وہند سے شائع ہونے والے دینی و علمی لٹریچر کے مطالعے کے بڑے شوقین ہیں اور کاروباری ہونے کے باوجود بہت اچھا علمی ذوق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں حنفی (دیوبندی) ہونے کے باوجود اپنے حنفی علما کے تقلیدی جمود پر سخت شاکی ہیں۔ جب راقم نے ان سے 'تفویض طلاق' اور 'حلالے' والے مضمون کا ذکر کیا تو انھوں نے 'معارف' کے دو شمارے اپنی لائبریری سے لا کر مجھے دیے جن میں سے ایک میں تفویض طلاق پر مضمون تھا اور دوسرے میں حلالہ مروّجہ ملعونہ پر۔

راقم کو یہ دونوں مضامین دیکھ کر خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی۔ خوشی اس بات پر ہوئی کہ تفویض طلاق کے بارے میں راقم نے جو کچھ لکھا ہے، وہی موقف 'معارف' میں چند سال قبل شائع شدہ مضمون میں اختیار کیا گیا ہے کہ یہ سراسر ناجائز ہے۔ اور تعجب اس پر ہوا کہ فاضل مضمون نگار جامعہ کراچی میں فقہ واسلامیات کے اُستاذ ہیں اور حنفی (بریلوی) مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اللہ نے موصوف کو مذکورہ دونوں مسئلوں میں تقلیدی جمود سے نکل کر قرآن وحدیث میں بیان کردہ موقف کو اختیار کرنے کی توفیق سے نوازا۔ كَثَّرَ اللهُ أَمْثَالَهُمْ فِينَا

magazine.mohaddis.com

بہر حال اب یہ سب چیزیں قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہیں۔ پہلے مولانا تقی عثمانی صاحب بالقابہ کا فتوی، اور پھر 'معارف' والا مضمون، اور بعد میں دیگر آراء...

۱۔ حیلے سے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، مولانا تقی عثمانی صاحب کا فتویٰ

مولانا تقی عثمانی صاحب حیلۂ 'تملیک زکاۃ' کے بارے میں فرماتے ہیں: (یاد رہے یہ حیلہ بھی احناف ہی میں رائج ہے اور انہی کے علما کا تجویز کردہ ہے)

"اور یہ جو تملیک کا حیلہ عام طور پر کیا جاتا ہے کہ کسی غریب کو زکاۃ دے دی اور اس سے کہا کہ تم فلاں کام پر خرچ کر دو، وہ غریب بھی جانتا ہے کہ یہ میرے ساتھ کھیل ہو رہا ہے اور حقیقت میں مجھے اس زکاۃ کی رقم میں سے ایک پیسے کا بھی اختیار نہیں ہے تو یہ محض ایک حیلہ ہے اور اس کی وجہ سے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔"[1]

اس واضح فتوی کے باوجود کسی حنفی کے اندر یہ جرأت نہیں ہے کہ وہ مولانا موصوف سے یہ پوچھ سکے کہ جب مسئلۂ زکاۃ میں حیلے سے حکم میں تبدیلی نہیں آتی تو نکاح جیسے مسئلے میں، جو اس سے کہیں زیادہ اہم ہے، حیلے سے نکاحِ حرام، نکاحِ حلال میں کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے؟ اور زناکاری سے مطلقہ عورت زوج اوّل کے لیے کس طرح حلال ہو جاتی ہے؟

اور اب ملاحظہ فرمائیں 'معارف' میں شائع شدہ مضمون۔ اس کا عنوان بھی فاضل مقالہ نگار، ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج صاحب استاذ الفقہ والتفسیر، شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ہی کا تجویز کردہ ہے۔ (حال ہی میں فاضل مقالہ نگار کو کراچی میں دہشت گردی کا شکار کر دیا گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون)

۲۔ حلالۂ مروّجہ اور قرآنی حلالہ کے درمیان فرق (از حافظ محمد شکیل اوج)

عارضی نکاح کو 'حلالہ' کہتے ہیں بشرطے کہ طلاق کو نکاح کی شرط نہ بنایا جائے، تاہم بہ وقت نکاح طلاق کا قصد وارادہ ہو تو کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا، اس نکاح میں اوّل الذکر شکل کو ناجائز

---

۱ فقہی مقالات: ۳/۱۶۵، طبع کراچی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

اور گناہ جب کہ مؤخر الذکر صورت کو جائز و روا قرار دیا جاتا ہے۔ شرط و قصد کی تفصیل فقہی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے، مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ قرآن مجید نے ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾[1] کے الفاظ میں جس نکاح کی بات کی ہے، وہ کون سا نکاح ہے مروّجہ حلالہ یا تحلیل شرعی؟

ہم سمجھتے ہیں کہ فقہی حلالہ قرآنی حلالہ سے بالکل الگ اور مختلف چیز ہے مگر افسوس کہ ہمارے غیر تحقیقی رویے اور قرآن سے ہمارے عدمِ تعلق اور عدمِ غور و فکر کے باعث قرآنی حلالہ، فقہی حلالہ میں گم ہو چکا ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسی متاعِ گم شدہ کی تلاش و جستجو ہمارا مقصد ہے، اس سلسلے میں ہمیں چند باتوں پر غور کرنا ہو گا:

پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی رو سے نکاح کبھی عارضی نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ دائمی ہوتا ہے، اسی لئے تو 'طلاق' کا قانون بنایا گیا ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان کوئی ناقابل اصلاح نقص پیدا ہو گیا تو اسے طلاق کے ذریعے ختم کیا جاسکے لیکن اگر شرطِ طلاق یا پھر قصدِ طلاق کے ساتھ نکاح منعقد ہو تو بتایا جائے کہ اپنے انجام کے اعتبار سے دونوں میں کیا جوہری فرق رہ جاتا ہے؟ مگر حیرت ہے کہ ہمارے فقہا نے قصدِ طلاق کے ساتھ ایسے نکاح کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اسے باعثِ اجر و ثواب بھی گردانا ہے۔[2]

لیکن ہمارے نزدیک کسی نکاح میں اگر 'اِحصان' کا معنی نہ پایا جائے تو اسے از روے قرآن نکاح کہنا محل نظر ہو گا، احصان 'حصن' سے بنا ہے اور حصن قلعہ کو کہتے ہیں، یعنی ایسی جگہ جو لوگوں کے لئے حفاظت کا کام انجام دے۔ شادی شدہ مرد کو محصن اور شادی عورت کو محصنہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نکاح کے ذریعے وہ ایک دوسرے کو حفاظتِ نفس فراہم کرتے ہیں۔ گویا دونوں ایک قلعہ میں محفوظ ہو جاتے ہیں، مرد بہ ذریعۂ نکاح عورت کو اپنے حصن (حفاظت

---

۱ سورۃ البقرۃ: ۲۳۰

۲ درِ مختار: ۱/۲۴۱، باب الرجعۃ، مطبع مجتبائی دہلی، بحوالہ فتاوٰی رضویہ، جلد: ۱۲/۴۰۹، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور نمبر ۸، پاکستان

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

وحمایت) میں لیتا ہے، اس طرح عورت کی عفت وعصمت محفوظ ہو جاتی ہے اور خود مرد کی بے قابو جنسی خواہش کو بھی لگام لگ جاتی ہے، یوں وہ خود بھی نکاح کے حصار میں محفوظ ہو جاتا ہے، قرآن نے مرد کو محصن اور عورت کو محصنہ کہہ کر دراصل اسی حقیقت کی تذکیر کی ہے۔

مُحصنین کے لفظ کے ساتھ ﴿غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ کے الفاظ اس لئے استعمال ہوئے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ شارع نے اپنے ماننے والوں کے لئے اِحصان سے ہٹ کر کھلے بندوں یا چوری چھپے ہر دو طریق سے قائم جنسی تعلقات پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ آپ قرآن مجید کے ان الفاظ کو پیش نظر رکھیے: ﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ اور غور وخوض کے بعد انصافاً کہیے کہ کیا مروّجہ حلالہ، محصنین کی تعریف میں آتا ہے؟ یعنی کیا یہ حلالہ مرد کو عورت کی عزت وآبرو کا محافظ وامین بناتا ہے؟ یا اس کے برعکس عورت کی عزت وناموس کو لوٹنے والا، جس کی مدت عام طور پر دو ایک راتوں پر مشتمل ہوتی ہے؟

دوسرے یہ کہ نکاح میں مرد عورت کی باہمی رضامندی بنیادی عامل کا کردار ادا کرتی ہے اور اس رضامندی کی اہمیت بلکہ ضرورت کا کوئی منکر نہیں ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا حلالہ میں بھی فریقین کی آزادانہ مرضی کا کوئی عمل دخل ہوتا ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ حلالہ کرتے وقت استقرارِ حمل کی صورت میں آئندہ کے لائحۂ عمل کا کوئی شرعی منصوبہ مرد یا عورت کے ذہن میں ہوتا ہے؟ اور نکاحِ حلالہ کے دوران اگر کوئی فریق فوت ہو جائے تو کیا حقوقِ وراثت پیدا ہونے کا مسئلہ بھی کسی فریق کے ذہن میں ہوتا ہے؟ آپ کو ان سوالوں کا جواب شاید اثبات میں نہ ملے، جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حلالہ خالصتاً عارضی ہوتا ہے جو ہنگامی صورتِ حال میں وجود پذیر ہوتا ہے اور یہ کہ حلالہ کی 'دائمی نکاح' کی طرح کوئی بنیاد نہیں ہوتی گویا یہ وہ بیج ہے جو درخت پیدا کرنے کے لئے نہیں بویا جاتا۔

چوتھے یہ کہ مرد وعورت جب رشتۂ ازدواج میں بندھ رہے ہوتے ہیں تو فریقین کے متعلقین ایک دوسرے کی معاشی، اخلاقی اور مذہبی حالات کی جانچ پڑتال اور چھان پھٹک میں مصروف ہو جاتے ہیں، پھر لمبی چوڑی تحقیق وتفتیش کے بعد نکاح کا مقدس رشتہ وجود میں آتا ہے، کیا حلالہ بھی اپنے پس منظر میں کسی ایسی ہی انکوائری کا طلب گار ہوتا ہے؟ اپنے ضمیر کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

عدالت سے پوچھیے، اگر وہ حلالہ کو قرآن کا مطلوب نکاح قرار دے تو بے شک اسے اختیار کرلیجیے، وگرنہ خدارا اس غیر شرعی اور غیر قرآنی عمل کو تحلیل شرعی کا نام نہ دیجیے۔

﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن نے نکاح کو جہاں 'احصان' سے تعبیر کیا ہے، وہیں ان لفظوں سے نکاح کے مفہوم کا کامل احاطہ بھی کرلیا ہے، یعنی نکاح ایسا ہو کہ جو مُسافحت (شہوت رانی) کا غیر ہو اور مُسافحت کا غیر وہی ہوسکتا ہے جس میں احصان کا قصد ہو اور جو نکاح قصدِ احصان سے خالی ہو، وہ مسافحت کا غیر نہیں بلکہ اس کا عین ہے۔ جو لوگ نکاح کی غرض وغایت، فقط جنسی ملاپ کو قرار دیتے ہیں، اُنہیں اس آیت پر غور کرنا چاہیے۔ سچ کہیے، کیا مروّجہ حلالہ مرد وعورت کے درمیان فقط شہوت رانی اور جنسی تعلقات سے عبارت نہیں ہے؟ اور کیا ایسے نکاح میں دورانِ حلالہ علی الاعلان اور طلاق کے بعد چوری چھپے جنسی رابطے کا امکان نہیں ہے؟... کوئی ہے جو اس پر غور کرے؟

اس لئے کہ جنسی بے راہ روی صرف مرد میں نہیں ہوتی، عورت میں بھی ہوتی ہے۔ حلالہ کی صورت میں اگر ایک بار ہی سہی، کسی عورت نے اپنے مُحلّل کا ذائقہ چکھ لیا اور اسے مزہ آگیا تو کیا طلاق کے بعد وہ دوبارہ اسی محلل سے جنسی رابطہ بحال رکھنے کی خواہش مند نہیں ہوسکتی؟ کیوں کہ جس طرح ﴿مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ﴾ کے الفاظ مرد کے تعلق سے آئے ہیں، اسی طرح ﴿مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ﴾[1] کے الفاظ عورت کے تعلق سے بھی آئے ہیں، مطلب یہ کہ عورتیں بھی محصنہ بننے کے لیے قیدِ نکاح میں آئیں، کھلے بندوں شہوت رانیاں اور خفیہ آشنائیاں کرنے والی نہ بنیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حلالہ جہاں ایک طرف کھلے بندوں اور علی الاعلان (بہ صورت نکاح) شہوت رانی کا ذریعہ بنتا ہے۔ وہیں چوری چھپے (بہ صورت طلاق) جنسی ملاپ کی سبیل بھی پیدا کردیتا ہے۔

ہمارے نزدیک اس قرآنی فقرہ میں معانی کا ایک جہاں سمٹا ہوا ہے۔ اس فقرہ میں نکاح کی ایسی تعریف کی گئی ہے جس کی رو سے صرف متعہ ہی حرام نہیں ٹھہرتا بلکہ مروّجہ حلالہ بھی

---

۱ سورۃ النساء:۲۵

magazine.mohaddis.com

حرام ٹھہرتا ہے کیوں کہ یہ دونوں ہی احصان کی صفت سے خالی اور مسافحت کی شناعتوں سے پُر ہیں۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ» تو اُنھوں نے پوچھا: "من هو يا رسول الله؟" آپ نے فرمایا: «هُوَ الْمُحَلِّلُ، لَعَنَ الله الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَه»[1]

امام عبد الرزاق نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

«لَا أُوتَى بِمُحَلِّلٍ وَلَا بِمُحَلَّلَةٍ إِلَّا رَجَمْتُهُمَا»[2]

"میرے پاس کوئی حلالہ کرنے والا مرد اور وہ عورت جس سے حلالہ کیا گیا، لائے گئے تو میں ضرور ان دونوں کو رجم کر دوں گا۔"

سنن بیہقی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تعلق سے یہ روایت آئی ہے:

رفع إليه رجل تَزَوَّج امرأة ليحلله لزوجها ففرّق بينهما وقال لاترجع إليه إلا بنكاح رغبة غير دلسة[3]

یعنی "ایک ایسا مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا جس میں ایک شخص نے کسی عورت سے اس کے سابق شوہر کے لئے حلالہ کے طور پر نکاح کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلہ سے ان دونوں کو الگ کر دیا اور فرمایا کہ وہ عورت اپنے پہلے خاوند سے رجوع نہیں کر سکتی، تاوقتے کہ اپنا مرغوب نکاح نہ کرے، یعنی ایسا نکاح جو (مروّجہ حلالہ کی) ملاوٹ سے پاک ہو۔"

آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کو ملعون قرار دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قابلِ رجم فعل گردانا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے وصفِ نکاح سے مجرد مانا ہے، ایسی صورت میں ان قطعی روایتوں کے باوجود مروّجہ حلالہ پر اصرار ناقابل فہم ہے۔

---

۱ سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۶ و مستدرک حاکم و صححہ و سنن بیہقی، بحوالہ روح المعانی از علامہ سید محمود آلوسیؒ: ۲/۱۴۱، مکتبہ امدادیہ، ملتان

۲ مصنف عبد الرزاق: ۱۰۷۷۷

۳ روح المعانی: ۲/۱۴۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

پیر محمد کرم شاہ ازہری نے ﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ کی جو تفسیر کی ہے، اس میں بھی حلالہ مروّجہ کا ردّ موجود ہے، اسے بھی ایک نظر دیکھ لیجئے۔ فرماتے ہیں:

"یہاں سے تیسری طلاق اور اس کے حکم کا بیان ہے، یعنی اگر تیسری طلاق بھی اس نے دے دی تو اب جب تک وہ کسی دوسرے خاوند سے بالکل اسی طرح بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے، جیسے اس نے پہلے خاوند کے ساتھ کیا تھا اور پھر وہ دوسرا خاوند ہم بستری کرنے کے بعد کچھ مدت گزرنے پر اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے دے، اس وقت تک وہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں جا سکتی، یہ ہے قرآن کریم کا واضح ارشاد، جس میں تاویل کی گنجائش نہیں، آج کل اس کا حل حلالہ کی باعثِ صد نفریں صورت میں تلاش کر لیا گیا ہے، اس کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ کا یہ حکم پیش نظر رہے: «لعن الله المحلل والمحلل له»[1]

"حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھٹکار اور جس (بے غیرت) کے لئے حلالہ کیا جارہا ہے اس پر بھی اللہ کی پھٹکار۔"

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾ میں جس تحلیل شرعی کا بیان ہے، وہ عرفاً وہی ہے جو آپ نے پیر صاحب کے حوالہ سے اوپر ملاحظہ کیا، جسے میں اپنے لفظوں میں کچھ اس طرح بیان کروں گا کہ قرآنی حلالہ وہ ہے کہ جس میں بہ وقتِ نکاح، شرطِ طلاق پائی جائے نہ قصدِ طلاق۔ فریقین کی باہمی رضامندی سے زندگی بھر کے سنجوگ کے ارادہ سے وہ عورت کسی اور سے نکاح کرے، پھر اگر قدرتی طور پر وہ نکاح کامیاب نہ ہو سکے اور طلاق واقع ہو جائے یا اس عورت کا دوسرا شوہر جہانِ فانی سے ہی رخصت ہو جائے تو اس صورت میں وہ عورت اپنے شوہر کے لیے بہ غرضِ نکاح حلال ہو جائے گی۔ غرض اس تحلیل شرعی میں کوئی سازش اور کوئی خفیہ ہاتھ ایسا نہیں کہ جو عورت کے لئے اس کے پہلے شوہر کو حلال کرنے کے

1. تفسیر ضیاء القرآن: جلد اول، حاشیہ زیر آیت نمبر: البقرۃ: ۲۳۰ ... ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لئے استعمال میں آیا ہو۔ یہ جو کچھ بھی ہوا محض اتفاق تھا اور بالکل فطری طور پر واقع ہوا، اسی اتفاق اور فطرت کے حسین امتزاج کو 'قرآنی حلالہ' کہا جاتا ہے اور قرآن نے ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ والی آیت میں اسی حلالہ کو بیان کیا ہے نہ کہ حلالۂ مروّجہ کو۔[1]

۳۔ حلالہ قرآن کے خلاف سازش ہے!

بھارت کے ایک حنفی عالم مولانا الطاف احمد اعظمی سابق پروفیسر جامعہ ہمدرد، نئی دہلی اپنے ایک فاضلانہ مقالے بعنوان 'اسلام کا قانونِ طلاق' میں لکھتے ہیں:

یاد رہے، ان کا یہ مقالہ اس مجموعہ مقالات میں شامل ہے، جو علی گڑھ میں منعقدہ ایک سیمینار میں پیش کیے گیے اور پھر کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ فرماتے ہیں:

"اس وقت مسلم سماج میں جو بہت سے ناپسندیدہ رسوم ورواج اسلام کا ظاہری لبادہ اوڑھ کر داخل ہوگئے اور ان کو قبول بھی کر لیا گیا ہے، ان میں سب سے برا رواج (بیک وقت) تین طلاقوں کا ہے اور پھر حلالے کی گندی رسم۔ بجائے اس کے کہ علما اس غلط رسم ورواج کو مٹاتے، ان کی طرف سے اس کو سندِ جواز مل گئی ہے۔"

اور 'گندی رسم' پر حاشیہ دے کر لکھتے ہیں:

"حلالے کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ عورت کا نکاح کیا جاتا ہے اس سے پہلے سے طے ہو جاتا ہے کہ وہ نکاح کے بعد... اس کو طلاق دے دے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ قرآن کی ہدایت کے بالکل خلاف ایک سازش ہے۔ نبی ﷺ نے حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔"[2]

---

۱ ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ، بھارت بابت جون ۲۰۰۷ء

۲ مجموعہ مقالات سیمینار بعنوان 'خاندانی نظام اور قرآنی تعلیمات': ص ۱۶۹ اور ۱۸۰، ناشر ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ، طبع ۲۰۱۰ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

۴۔ حلالہ سراسر لغو اور لعنتیوں کا کام ہے!

مولانا عبدالحلیم قاسمی (بانی جامعہ حنفیہ، گلبرگ، لاہور) اپنے ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

"اب اس معاملے کو حلالے کے نام سے مشروط نکاح کسی شہوت پرست مرد سے کر دیا جاتا ہے اور صبح اس عورت کو پہلے خاوند کے حوالے کر کے ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ پر عمل ظاہر کر دیا جاتا ہے جو سراسر لغو اور لعنتیوں کا کام ہے۔ کوئی غیرت مند آدمی اپنی عورت کو گائے، بھینس اور بکری بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتا، لیکن یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اللہ کی پناہ مختلف علاقوں میں حلالہ نکالنے کے لیے خاص آدمی ہر وقت تیار رہتے ہیں۔"

آگے 'ایک مجلس کی تین' طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنے کو عہدِ نبوی ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ مبارک اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں دو سال تک کا عمل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے سیاسۃً ایک مجلس میں تین طلاقوں کو تین تسلیم کر لیا تھا، یہ آپ کی سیاست تھی جس میں تبدیلی کا امکان ہے۔ چنانچہ اکثر جلیل القدر صحابہ نے اس معاملے میں اختلاف فرمایا ہے جو کتبِ احادیث میں بادلائل موجود ہے۔ آج تک کسی مفتی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ یہ لکھ کر دے کہ یہ فیصلہ حضور ﷺ کا نہیں؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لکیر کے فقیر بن کر غلط راستے پر گامزن ہیں اور ایک ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کرتے ہیں جو سراسر سفاح (بدکاری) ہے۔ اس لیے حضور پاک ﷺ نے واضح الفاظ میں لعنتی قرار دیا ہے اور مانگا ہوا بکرا اس کو فرمایا جو زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔"[1]

۵۔ اسلام (حلالے کے جواز جیسی) ستم ظریفی پر چیخ اُٹھتا ہو گا !!

پیر کرم شاہ ازہری جج سپریم اپیلیٹ شریعت بنچ، بریلوی مکتبِ فکر کی ایک نمایاں شخصیت

---

۱ مکتوب بنام محمد طفیل، ملتان، بحوالہ 'ایک مجلس کی تین طلاقیں' مطبوعہ دار السلام، لاہور: ص ۱۸۱ تا ۱۸۳

magazine.mohaddis.com

گزری ہے۔ یہ جب جامعہ ازہر (مصر) سے پڑھ کر آئے تو 'دعوتِ فکر و نظر' کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی جس میں اُنہوں نے نہایت پر زور انداز میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے پر زور دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو ایک تعزیری اقدام قرار دیا اور فرمایا کہ اب یہ تعزیری اقدام حلالے جیسی بے غیرتی اور ارتداد کا باعث بنا ہوا ہے، اس لیے علما ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنے کا فتویٰ دے کر اُمّت پر رحمت کا دروازہ کھول دیں۔ ان کے فرمان کو انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

"لوگوں میں شرعی احکام کے علم کا فقدان ہے۔ اُنہیں یہ پتہ ہی نہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا کتنا بڑا جرم ہے اور تلعّب بکتاب اللہ کے مترادف ہے۔ وہ غیظ وغضب کے حالت میں منہ سے بک جاتے ہیں، اُنہیں تب ہوش آتا ہے جب انہیں بتایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے ایک جنبش لب سے اپنے گھر کو برباد کر دیا ہے۔ اس کی رفیقہ حیات اور اس کے ننھے بچوں کی ماں اس پر قطعی حرام ہو گئی ہے۔ اس کی نظروں میں دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ یہ ناگہانی مصیبت اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے، پھر وہ علما صاحبان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں جو باستثنائے چند حضرات، بڑی معصومیت سے اُنہیں حلالے کا دروازہ دکھاتے ہیں۔ اس وقت اُنہیں اپنے غیور رسول کی وہ حدیث فراموش ہو جاتی ہے: «لعن الله المحلل والمحلل له»

"حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی لعنت اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جائے، اس پر بھی اللہ کی لعنت۔"

اس سلسلے میں ایک اور حدیث بھی سن لیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں کرائے کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟ ہم نے کہا: ضرور اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: وہ حلالہ کرنے والا ہے، اللہ کی لعنت ہو، حلالہ کرنے والے پر بھی اور اس پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔"

ان علمائے ذی شان کے بتائے ہوئے حل کو اگر کوئی بدنصیب قبول کر لیتا ہو گا تو اسلام اپنے رم فرماؤں کی ستم ظریفی پر چیخ اٹھتا ہو گا اور دین سبز گنبد کے مکین کی دہائی دیتا ہو گا۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

اب حالات دن بدن بدتر ہو رہے ہیں۔ جب بعض طبیعتیں اس غیر اسلامی اور غیر انسانی حل کو قبول نہیں کرتیں اور اپنے گوشۂ عافیت کی ویرانی بھی ان سے دیکھی نہیں جاتی تو وہ پریشان اور سراسیمہ ہو کر ہر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اس وقت باطل اور گمراہ فرقے اپنا آہنی پنجہ اُن کی طرف بڑھاتے ہیں اور انہیں اپنے دامِ تزویر میں بھی پھنسا لیتے ہیں۔ اس کی بیوی تو اسے مل جاتی ہے لیکن دولتِ ایمان لوٹ لی جاتی ہے۔ میرے یہ چشم دید واقعات ہیں کہ کنبے کے کنبے مرزائی اور رافضی ہو گئے۔ جب حالات کی سنگینی کا یہ عالم ہو، جب یہ تعزیر (بیک وقت تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کی رائے) بے غیرتی کی مہر ہو بلکہ اس کی موجودگی سے ارتداد کا دروازہ کھل گیا ہو۔ ان حالات میں علماے اسلام کا یہ فرض نہیں کہ اُمّتِ مصطفیٰ ﷺ پر درِ رحمت کشادہ کریں (یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیں) (دعوتِ فکر و نظر)

پیر صاحب موصوف کا یہ مقالہ حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اس کتاب میں شامل کیا گیا تھا جو احمد آباد (بھارت) میں منعقدہ سیمینار کے مقالات کے مجموعے پر مشتمل تھی۔ ان سب کا موضوع مسئلۂ طلاقِ ثلاثہ ہی تھا۔ پیر صاحب کے مقالے کی بیشتر عربی عبارتوں کا ترجمہ بھی راقم ہی نے کیا تھا، یہ ۱۹۷۹ء کی بات ہے۔ جب سے یہ فاضلانہ مقالہ 'مجموعہ مقالاتِ علمیہ' دربارہ 'ایک مجلس کی تین طلاقیں' نامی کتاب کا حصہ ہے اور نعمانی کتب خانہ اُردو بازار لاہور کی شائع کردہ ہے۔ پیر صاحب کا مذکورہ اقتباس، اس کتاب کے صفحہ ۳۴۲، ۳۴۳ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ نکاح بشرطِ تحلیل حرام اور موجبِ لعنت ہے!

مولانا کفایت اللہ دہلوی مرحوم کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، علماے احناف (دیوبند) میں وہ مفتی اعظم ہند مانے اور سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے فتاوے ۹ جلدوں میں 'کفایت المفتی' کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ اس مجموعہ فتاویٰ میں درج ایک سوال، جواب ملاحظہ فرمائیں:

"سوال: شرع شریف میں حلالہ کس کو کہتے ہیں؟ بعض علاقوں میں مروّجہ حلالہ عمل میں لاتے ہیں، کسی کے لیے حلالہ کرتے ہیں، بعض مفتی اس پر جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے

magazine.mohaddis.com

یا نہیں، اگر جائز ہے تو حدیث شریف لعن رسول اللہ المحلل والمحلل کا کیا مطلب ہے؟

(۳۵۹) جواب: مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلے اور پھر اس سے طلاق یا موتِ زوج کی وجہ سے علیحدہ ہو کر پہلے زوجِ مطلق کے لیے حلال ہو جاتی ہے، اس کا نام حلالہ ہے۔ لیکن زوج اوّل یا زوجہ کے کسی ولی کی طرف سے زوجِ ثانی سے یہ شرط کرنا کہ وہ طلاق دے دے اور زوجِ ثانی کا اس شرط کو قبول کر کے نکاح کرنا، یہ حرام ہے۔ اس میں فریقین پر لعنت کی گئی ہے۔ حدیث جو سوال میں مذکور ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تحلیل کی شرط کر کے نکاح کرنا موجبِ لعنت ہے۔[1]

۷۔ حلالے کی رائج شکل بالکل متعہ کی طرح ہے!

ایک اور حنفی عالم مولانا محفوظ الرحمن قاسمی فاضل دیوبند، مدرّس مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں (بھارت) مجلس واحد کی تین طلاقوں کی خرابیوں کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جب لوگ دینی ناواقفیت اور جذبات کی شدت سے مجبور ہو کر (اکٹھی) تین طلاق دیتے ہیں تو صحیح حکم کے ظاہر ہونے کے بعد سخت نادم ہوتے ہیں اور دنیا بھر کی حیلہ جوئی اور چارہ گری تلاش کرتے ہیں، ایسی غلط تدبیر اختیار کرتے ہیں کہ پھر وہ عورت اس کے نکاح میں بغیر تحلیل (شرعی) کے آجائے یا باقی رہ جائے۔

اس سے متعدد خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ اگر طلاق دینے والا حنفی مسلک رکھتا ہے اور اسی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو لامحالہ تحلیل کی شکل اختیار کرتا ہے، شرط باندھ کر دوسرے سے نکاح کراتا ہے کہ تم کل طلاق دے دینا اس طرح وہ شریعت کے نزدیک مجرم ٹھہرتا ہے۔

اس کے بعد موصوف نے حلالے کے لعنتی اور زناکاری ہونے کی بابت احادیث وآثار نقل فرمائے ہیں، پھر لکھتے ہیں:

"اب آپ غور کر کے دیکھیے کہ ہمارے معاشرے میں کون سی شکل رائج ہے؟ بالکل

---

۱ کفایت المفتی از مولانا کفایت اللہ دہلوی: ج ۶ ص ۳۶۱، ۳۶۲، مکتبہ امدادیہ، ملتان

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

متعۃ النساء کی طرح مشروط نکاح کیا جاتا ہے اور اگلے دن نکاح کرنے والے سے طلاق لے لی جاتی ہے۔ اس شکل میں بعض ایسے شرم ناک اور حیاسوز قصے سننے میں آتے ہیں کہ کسی طرح شریعت کا مزاج اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، جب ہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے لوگوں کو میں سنگ سار کروں گا۔''[1]

اس کے بعد موصوف نے ایسے بعض واقعات کا ذکر کیا ہے جن میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کر کے رجوع کا حق دینے کے بجائے، تین ہی طلاقیں شمار کر کے صلح اور رجوع کا راستہ بالکل بند کر دیا تو دونوں میاں بیوی کس طرح نہایت عبرت ناک انجام سے دوچار ہوئے۔ اہل علم محولہ کتاب میں یہ واقعات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ آخر میں فاضل مضمون نگار نے ایسے عبرت ناک انجام سے یا حلالے جیسے لعنتی کام سے بچنے کا حل یہی بتلایا ہے کہ مجلس واحد کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق سمجھا جائے۔[2]

ایک ضروری تصحیح

''مروّجہ حلالہ ملعونہ...'' مضمون کی دوسری قسط جو 'محدث' کے گزشتہ شمارے میں شائع ہوئی ہے، اس مضمون کے صفحہ نمبر ۶۹ پر ایک عبارت میں تسامح ہو گیا ہے۔ قارئین اس صفحے کی سطر نمبر ۱۶، ۱۷ کو اس طرح پڑھیں:

''عثمانؓ کی خلافت کے بالکل آخری دور ۳۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (الاعلام از زرکلی: ۱۳/ ۳۹۲)

جبکہ حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ کی شہادت ۳۵ ہجری میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ۲۳ ہجری میں ہوئی۔ اس طرح گویا حضرت ابن سیرین کی ولادت ہی حضرت عمرؓ کی شہادت کے ۱۰ سال بعد ہوئی ہے اور وہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ بیان کر رہے ہیں؟ اس اعتبار سے''

---

۱ مجموعہ مقالاتِ علمیہ: 'ایک مجلس کی تین طلاق': ص ۳۲ تا ۳۴

۲ ایضاً: ص ۳۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

مولانا وحید الدین خان؛ اَفکار و نظریات

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

مولانا وحید الدین خان یکم جنوری ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش اُتر پردیش، بھارت کے ایک قصبہ اعظم گڑھ میں ہوئی۔ چار یا چھ سال کی عمر میں ہی اِن کے والد محترم فرید الدین خان وفات پا گئے۔ اِن کی والدہ زیب النساء خاتون نے اِن کی پرورش کی اور اِن کے چچا صوفی عبد الحمید خان نے اِن کی تعلیم کی ذمہ داری اُٹھائی۔ خان صاحب کا کہنا ہے کہ بچپن کی یتیمی نے اُن میں مسائل سے جان چھڑانے کی بجائے اُن کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کیا۔[1]

اُنہوں نے ابتدائی تعلیم مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ سے ہی حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں اِس مدرسہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۴ء میں چھ سال بعد اُنہوں نے یہاں سے اپنی مذہبی تعلیم مکمل کر لی۔ اِس کے بعد ان کے بڑے بھائی نے اُنہیں کاروبار میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن اُن کا خیال یہ تھا کہ اُنہیں ابھی انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کرنی ہے۔ اِس مقصد کے لیے اُنہوں نے لائبریری جا کر سائنس اور جدید علوم کی کتب کا مطالعہ شروع کیا۔[2]

کچھ عرصہ بعد خان صاحب نے محسوس کیا کہ اُنہوں نے مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ جدید علوم کا بھی کافی مطالعہ کر لیا ہے تو اُنہوں نے دینی علم کو زمانۂ حاضر کے تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ اُن کی تحریروں میں بین المذاہب مکالمہ اور اَمن کا بہت زیادہ ذکر ملتا ہے۔ اور آخر عمر میں اُنہوں نے دین اسلام کا خلاصہ اِنہی دو لفظوں میں بیان کیا ہے۔

۱۹۵۵ء میں اُن کی پہلی کتاب 'نئے عہد کے دروازے پر' شائع ہوئی۔ یہی کتاب بعد میں

---

۱ http://www.cpsglobal.org/mwk

۲ ایضاً

magazine.mohaddis.com

اُن کی معروف کتاب 'مذہب اور جدید چیلنج' کے لیے بنیاد بنی اور اِس کا عربی ترجمہ الإسلام یتحدّی کے نام سے مقبولِ عام ہوا جو کئی ایک عرب جامعات کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ جارج ٹاؤن یونیورسٹی سے شائع شدہ ایک حالیہ کتاب "500 Most Influential Muslims of 2009" میں اُنہیں "Islam's Spiritual Ambassador to the World" قرار دیا گیا ہے۔ (ایضاً)

جماعتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت میں شمولیت

خان صاحب شروع شروع میں مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے متاثر ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں جماعتِ اسلامی، ہند میں شامل ہوئے۔ کچھ ہی عرصہ میں جماعتِ اسلامی کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی بن گئے۔ جماعتِ اسلامی کے ترجمان رسالہ 'زندگی' میں باقاعدگی سے لکھتے رہے۔ جماعت اسلامی میں شمولیت کے بعد مولانا وحید الدین خان صاحب نے ۱۵ سال کے بعد جماعتِ اسلامی کو خیرباد کہا۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستہ ہو گئے لیکن ۱۹۷۵ء میں اُسے بھی مکمل طور پر چھوڑ دیا۔

ذاتی دعوتی اور علمی کام کا آغاز

۱۹۶۷ء میں اپنے دعوتی کام کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۰ء میں نئی دہلی میں ایک اسلامک سنٹر کی داغ بیل ڈالی اور ۱۹۷۶ء میں 'الرسالہ' کے نام سے ایک اُردو رسالہ کا اِجرا کیا۔ ۱۹۸۴ء میں ہندی اور ۱۹۹۰ء میں انگریزی میں بھی 'الرسالہ' جاری کیا گیا۔ اُردو میں اُن کا ترجمہ قرآن اور تشریحی نکات 'تذکیر القرآن' کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہی ترجمۂ قرآن بعد میں ہندی اور انگریزی میں بھی شائع ہوا۔ انگریزی ترجمہ The Quran کے نام سے شائع ہوا حالانکہ ترجمہ قرآن کا یہ نام رکھنا کسی طور درست نہیں۔ کوئی بھی ترجمہ قرآن، حقیقی قرآنِ مجید نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید فصیح عربی زبان میں ہے اور جب اُس کا ترجمہ کسی اور زبان میں کیا جاتا ہے تو وہ قرآنِ مجید کا ترجمہ تو کہلایا جا سکتا ہے لیکن قرآن مجید نہیں۔ خان صاحب نے ۲۰۰۱ء میں اپنے نقطۂ نظر اور دعوت کے پھیلاؤ کے لیے 'سی پی ایس' یعنی 'سنٹر فار پیس اینڈ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

سپر چوئیلٹی' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو اُن کے بقول 'دعوت' اور 'امن' دو بنیادوں پر قائم ہے۔

مولانا وحید الدین خان تقریباً دو سو کتب کے مصنف ہیں، جو اردو، عربی اور انگریزی زبان میں ہیں۔ اُن کی معروف کتب میں تذکیر القرآن، اسلام دورِ جدید کا خالق، مذہب اور جدید چیلنج، تعبیر کی غلطی، رازِ حیات، دین کی سیاسی تعبیر، عقلیاتِ اسلام، پیغمبرِ انقلاب اور اللہ اکبر ہیں۔ انگریزی اور عربی کتابیں اکثر و بیشتر مولانا کی اُردو تحریروں ہی کے تراجم ہیں۔ (ایضاً)

فکری بنیادیں

مولانا وحید الدین خان صاحب کی تحریروں کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد اُن کے دعوتی اور علمی کام کو آسانی کی خاطر پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

تذکیر و نصیحت: خان صاحب کی تحریروں میں تذکیر کا پہلو غالب اور نمایاں طور موجود ہے۔ چھوٹی اور عام سی بات سے بھی نصیحت کا پہلو نکال لینے میں اُنہیں کمال حاصل ہے۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

"ایک امریکی خاتون سیاحت کی غرض سے روس گئیں۔ وہاں اُنھوں نے دیکھا کہ ہر جگہ کمیونسٹ پارٹی کے چیف کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ یہ بات اُنھیں پسند نہیں آئی۔ ایک موقع پر وہ کچھ روسیوں سے اِس پر تنقید کرنے لگیں۔ خاتون کے ساتھی نے اُن کے کان میں چپکے سے کہا: "میڈم! آپ اِس وقت روس میں ہیں، امریکہ میں نہیں ہیں۔" آدمی اپنے ملک میں اپنی مرضی کے مطابق رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی غیر ملک میں جائے تو وہاں اُس کو دوسرے ملک کے نظام کی پابندی کرنی پڑے گی۔ اگر وہ وہاں کے نظام کی خلاف ورزی کرے تو مجرم قرار پائے گا۔ ایسا ہی کچھ معاملہ وسیع تر معنوں میں دنیا کا ہے، انسان ایک ایسی دنیا میں پیدا ہوتا ہے جس کو اُس نے خود نہیں بنایا ہے۔ یہ مکمل طور پر خدا کی بنائی ہوئی دنیا ہے۔ گویا انسان یہاں اپنے ملک

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ملک میں ہے۔"[1]

magazine.mohaddis.com

ردّ عمل کی نفسیات: خان صاحب کی فکر ردّ عمل کی نفسیات (Psychology of Reaction) پر قائم ہے اور یہ ردّ عمل اسلام کے سیاسی تصور، معاصر اسلامی تحریکات اور متنوع مذہبی طبقات کا ہے۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

"کچھ لوگ اسلام کا جامع تصور پیش کر رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام ہے۔ اسلام میں صرف عقیدہ اور عبادت اور اخلاق شامل نہیں ہیں، بلکہ پولیٹکل سسٹم بھی اس کا لازمی جز ہے۔ پولیٹکل سسٹم کو قائم کیے بغیر اسلام ادھورا رہتا ہے، وہ مکمل نہیں ہوتا۔ یہ بظاہر اسلام کا جامع تصور ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ ایک تخریبی تصور ہے۔"[2]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک زمین پر سیاسی غلبہ کا معاملہ ہے، اس کا تعلق تمام تر اللہ تعالیٰ سے ہے۔ قرآنِ مجید کے مطابق، زمین پر سیاسی غلبہ کا فیصلہ براہِ راست اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور وہ اُسی کو ملتا ہے جس کے لیے اللہ نے اُس کا فیصلہ کیا ہو (۲۶:۳)۔ اِس سے معلوم ہوا کہ سیاسی نظم کے قیام کو نشانہ بنا کر عمل کرنا، ایک مبتدعانہ عمل ہے۔ وہ دین کے نام پر بے دینی ہے۔ وہ اسلام کے نام پر اسلام سے انحراف کرنا ہے۔ اِس قسم کی کوشش کو کبھی بھی خدا کی نصرت نہیں ملے گی، اِس لیے ایسی کوشش کبھی کامیاب ہونے والی نہیں۔"[3]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی تمام بڑی بڑی تحریکیں حیرت انگیز طور پر انتہائی ناکامی کا شکار ہوئی ہیں۔ مسلمان جب بھی کوئی تحریک اٹھاتے ہیں تو خدا اُن کے گھروندے

---

۱ آخری سفر: ص ۵

۲ صبح کشمیر: ص ۳۲

۳ ایضاً: ص ۳۳

کو ٹھوکر مار کر گرا دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی یہ تمام سرگرمیاں خدا کی نظر میں بالکل نامطلوب ہیں۔ اِس بنا پر وہ اُن کو حرفِ غلط کی طرح مٹا رہا ہے۔"[1]

مذکورہ بالا عبارات بتا رہی ہیں کہ جذبات میں ٹھہراؤ اور اطمینان نہیں ہے اور اختلاف کے اظہار میں ردِّ عمل کی نفسیات واضح طور محسوس ہو رہی ہیں۔

تجدّد: خان صاحب کے افکار و نظریات میں تجدد پسندی (Modernity) کی طرف میلانات اور رجحانات بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور صحیح معنوں میں اُن پر لفظ 'متجدد' اس اعتبار سے صادق آتا ہے کہ اُنہوں نے دین کے بنیادی تصورات کی از سرِ نو ایسی تعبیر و تشریح پیش کی ہے جو اُن سے پہلے کسی نے نہیں کی اور وہ نہ صرف اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اپنے لیے اِس میں فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

"پچھلے ہزار سال میں مسلمانوں کے درمیان جو لٹریچر تیار ہوا، اُس میں سب کچھ تھا، مگر اُس میں جو چیز مکمل طور پر حذف تھی اور وہ ہے: دعوت اور اَمن کا تصور۔ اِس کے بعد جب مغربی طاقتوں نے مسلم ایمپائر کو توڑ دیا تو اِس کے خلاف ردِ عمل کی بنا پر یہ ذہن اور زیادہ پختہ ہو گیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیسویں صدی عیسوی پوری کی پوری، منفی سوچ اور منفی سرگرمیوں کی نذر ہو گئی۔ اِس پوری صدی میں نہ دعوت کا پیغام لوگوں کے سامنے آیا اور نہ اَمن کا پیغام، جب کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ راقم الحروف پر اللہ تعالیٰ نے استثنائی طور پر دعوت اور اَمن کی اہمیت کھولی۔"[2]

اب اُن کے اِس تصورِ دعوت اور اَمن کی بھی ذرا سی جھلک ملاحظہ فرمائیں جو اُن کے بقول مسلم دنیا کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں نہیں ملتا۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

"۱۱ نومبر ۲۰۰۱ء میں نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو توڑنے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اِس واقعے کے بعد امریکا غضب ناک ہو گیا۔ اُس نے عراق اور افغانستان کے خلاف براہِ

۱ راہِ عمل: ص ۱۱۰
۲ ماہنامہ الرسالہ: جولائی ۲۰۱۰ء، ص ۲۳۔۲۴

magazine.mohaddis.com

راست طور پر اور پوری دنیا کے خلاف بالواسطہ طور پر ایک انتقامی جنگ چھیڑ دی۔ اِس جنگ میں نام نہاد جہاد کے اکابر رہنما یا تو مارے گئے یا وہ خاموش ہو گئے۔ امریکا کا یہ آپریشن اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک خدائی آپریشن تھا۔ اِس نے اُن تمام طاقتوں کو زیر کر دیا جو اَمن اور دعوت کے مشن کے خلاف محاذ بنائے ہوئے تھے۔"[1]

تنقیص: خان صاحب نے اپنے ماسوا تقریباً ہر دوسرے بڑے عالم دین پر تنقید کی ہے اور ان کی نقد تعمیری (Constructive Criticism) نہیں ہے بلکہ تنقیص (reproach and denunciation) کی ایک صورت ہوتی ہے۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

"اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہو گا کہ میں پیدائشی طور پر ایک تنقید پسند آدمی ہوں۔"[2]

ایک ہے کہ ضرورت کے تحت تنقید کرنا اور یہ ایک ناگزیر اَمر اور معاشرتی ضرورت ہے۔ جبکہ 'تنقید پسند ہونا' ایک دوسری بات ہے جو ہمارے خیال میں بہر طور درست نہیں ہے جبکہ تنقید کا معنی بھی 'تنقیص' سے زائد نہ ہو۔ مولانا کی اِس ترکیب میں 'پسند' کا لفظ بھی قابل غور ہے۔ خان صاحب ایک اور جگہ علما کی عیب جوئی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے علما مغربی افکار کو سرے سے جانتے ہی نہیں۔ علما اگر مغربی فکر کو گہرائی کے ساتھ سمجھتے تو اُس کو اپنے لیے عین مفید سمجھ کر اُس کا استقبال کرتے۔ مگر سطحی معلومات کی بنا پر وہ اِس کے مخالف بن گئے اور اِس کا مذاق اُڑانے لگے۔"[3]

ایک اور جگہ اہل علم پر الزام دھرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علما کی دورِ جدید سے بے خبری کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایسا لٹریچر تیار نہ کر سکے جو جدید ذہن کو مطمئن کرنے والا ہو۔ شاہ ولی اللہ سے لے کر سید قطب تک، میرے علم کے مطابق، مسلم علما کوئی ایک کتاب بھی ایسی تیار نہ کر سکے جو آج کے مطلوبہ معیار پر پوری اُترتی

---

۱ ماہنامہ الرسالہ: جولائی ۲۰۱۰ء، ص ۲۶

۲ وحید الدین خان، علماء اور دورِ جدید، ماہنامہ الرسالہ، نیو دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۴۴

۳ ایضاً: ص ۴۱۔ ۴۲

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ہو۔"[1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"سو سال سے بھی زیادہ مدت سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ ہمیں دورِ جدید کے علما کی ضرورت ہے یعنی ایسے علما جو علوم دینیہ کی تحصیل کے علاوہ وقت کے علوم کی بھی تعلیم حاصل کریں۔ اِس طرح ایسے علما تیار ہوں جو قدیم و جدید دونوں سے واقف ہوں تاکہ وہ عصر حاضر کے مطابق، اسلام کی خدمت انجام دے سکیں۔ ایسے لوگوں کی فہرست ہزاروں میں شمار کی جاسکتی ہے جو دونوں قسم کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے، مگر وہ ملت کی مطلوب ضرورت کو پورا نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر چند نام یہاں لکھے جاتے ہیں: مولانا حمید الدین فراہی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، پروفیسر مشیر الحق، ڈاکٹر عبد الحلیم عویس، ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، مولانا محمد تقی عثمانی، پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی، پروفیسر محمد اجتبا ندوی، پروفیسر محسن عثمانی، پروفیسر ضیاء الحسن ندوی، ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی، ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی وغیرہ... میں نے ذاتی طور پر اِس قسم کے علما کی تحریریں پڑھی ہیں، مگر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُن سب کی تحریریں قدیم روایتی مسائل کی جدید تکرار کے سوا اور کچھ نہیں۔"[2]

اختیال: خان صاحب کی تحریروں سے یہ واضح طور محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے خیالوں میں اُن کی اپنی عظمت اور بڑائی اِس قدر رَچ بس گئی ہے اور وہ نرگسیت (Narcissism) کا شکار ہیں۔ خان صاحب لکھتے ہیں:

"اَصحابِ رسول کی حیثیت ایک دعوتی ٹیم کی تھی۔ یہ ٹیم ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کے نتیجے میں بنی۔ اِس کا آغاز اس وقت ہوا جب ہاجرہ اور اسماعیل کو خدا کے حکم سے صحرا میں بسا دیا گیا۔ سی پی ایس کی ٹیم کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اَصحابِ رسول کے بعد

---

۱ ایضاً: ص ۴۵

۲ ماہنامہ الرسالہ، نیو دہلی: مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۴۔۵

تاریخ میں ایک نیا عمل شروع ہوا۔ اِسی عمل کا کلمنیشن (culmination) سی پی ایس [مولانا وحید الدین خان] کی ٹیم ہے۔ گویا اَصحابِ رسول اگر قدیم زمانے میں ڈھائی ہزار سالہ تاریخی عمل کا کلمنیشن تھے تو سی پی ایس [مولانا وحید الدین خان] کی ٹیم بعد کے تقریباً ڈیڑھ ہزار سالہ عمل کا کلمنیشن ہے۔ اَصحابِ رسول کے بعد بننے والی طویل تاریخ کے تمام مثبت عناصر سی پی ایس [مولانا وحید الدین خان] کی ٹیم میں جمع ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں پہلی بار اِس کو یہ حیثیت ملی ہے کہ وہ دورِ حاضر میں اَخوانِ رسول کا رول ادا کر سکے۔ بعد کے زمانے میں اُٹھنے والی تمام تحریکوں میں صرف سی پی ایس [مولانا وحید الدین خان] انٹرنیشنل وہ تحریک یا گروپ ہے جو استثنائی طور پر اِس معیار پر پوری اُترتی ہے۔ قرآن اور حدیث کی صراحت کے مطابق، اَصحابِ رسول کی امتیازی صفت یہ تھی کہ وہ پورے معنوں میں ایک داعی گروہ بنے۔ مگر بعد کے بننے والے گروہوں میں کسی بھی گروہ کو حقیقی معنوں میں داعی گروہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔"[1]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"غالباً یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اَخوانِ رسول وہ اہلِ ایمان ہیں جو سائنسی دور میں پیدا ہوں گے، اور سائنسی دریافتوں سے ذہنی غذا لے کر اعلیٰ معرفت کا درجہ حاصل کریں گے، نیز یہی وہ لوگ ہوں گے جو مہدی یا مسیح کا ساتھ دے کر آخری زمانے میں اعلیٰ دعوتی کارنامہ انجام دیں گے۔"[2]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"ماضی اور حال کے تمام قرائن تقریباً یقینی طور پر بتاتے ہیں کہ سی پی ایس [مولانا وحید الدین خان] کی ٹیم ہی وہ ٹیم ہے جس کی پیشین گوئی کرتے ہوئے پیغمبر اسلام نے اُس کو

---

۱ ماہنامہ الرسالہ: ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۳۵

۲ ماہنامہ الرسالہ: مئی ۲۰۱۰ء، ص ۴۴

اَخوانِ رسول کا لقب دیا تھا۔"[1]

پہلے اقتباس کا خلاصہ ہے کہ مہدی و مسیح علیہما السلام کے ساتھ اَخوانِ رسول کی ٹیم ہو گی جبکہ دوسرے کا یہ ہے کہ اَخوانِ رسول کی ٹیم سی پی ایس کی ٹیم ہے۔ اِن دونوں قضیوں کے صغریٰ و کبریٰ سے یہ نتیجہ نکلا کہ مہدی و مسیح کے ساتھ سی پی ایس کی ٹیم ہو گی۔

مولانا وحید الدین خان صاحب کی کسی بھی تحریر کو اٹھا کر دیکھ لیں، اُس میں اِن میں سے ایک، دو، تین یا چار بنیادیں ضرور مل جائیں گی۔ راقم نے اپنی کتاب 'مولانا وحید الدین خان: افکار و نظریات' میں اِن عوامل اور عناصر سے پروان چڑھنے والی خان صاحب کی فکر کا، اُن کے اپنے الفاظ ہی کی روشنی میں، ایک مفصل تحلیلی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔

خاں صاحب کے بعض نظریات گمراہ کن بھی ہیں، جن میں بطور خاص ان کا یہ تصور کہ نبی کریم ﷺ فائنل ماڈل (اُسوہ) نہیں ہیں۔ اقامتِ دین، نفاذِ شریعت اور جہاد اور امن وغیرہ کے حوالے سے دین کا جو مخصوص تصور رکھتے ہیں، اس کی رو سے ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے اُسوہ میں چونکہ دعوت کے علاوہ جہاد و قتال بھی ہے، لہٰذا یہ اُسوہ ہمارے لیے کامل نمونہ نہیں ہے، کیونکہ آج کے دور میں جہاد و قتال ممکن نہیں رہا۔ آج کے دور میں اُمّت مسلمہ کے لیے حضرت مسیح کا اُسوہ قابل عمل اور نمونہ ہے، جو صرف دعوت و تبلیغ کے عمل پر مبنی تھا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"مسیح کے ماڈل میں آغاز میں بھی دعوت ہے، اور انجام میں بھی دعوت، مسیح کے دعوتی ماڈل میں، ہجرت اور جہاد (بمعنی قتال) کے واقعات موجود نہیں۔ محمدی ماڈل میں ہجرت اور جنگ اس کے واضح اجزا کے طور پر شامل ہیں۔ لیکن اب حالات نے ہجرت اور جنگ کو ناقابل عمل بنا دیا ہے۔"[2]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ

---

۱ ماہنامہ الرّسالہ: ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۴۰

۲ ماہنامہ الرسالہ، جون ۲۰۰۷ء، ص ۶،۵

magazine.mohaddis.com

"آپ ﷺ بلاشبہ آخری پیغمبر تھے، لیکن آپ ہر صورت حال کے لیے آخری نمونہ نہ تھے، چنانچہ قرآن میں آپ کے لیے اُسوہ حسنہ کا لفظ آیا ہے نہ کہ اُسوہ کاملہ کا۔ کسی پیغمبر کو فائنل ماڈل سمجھنا خدا کے قائم کردہ قانونِ فطرت کی تنسیخ کے ہم معنی ہے۔"[1]

کچھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

"بعد کے زمانے میں حالات کے اندر ایسی تبدیلیاں واقع ہوں گی، کہ حالات کے اعتبار سے حضرت مسیح کا عملی ماڈل زیادہ قابل انطباق (Applicable) بن جائے گا۔"

سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب جس میں رسالت مآب ﷺ پر دشنام طرازی کی گئی، اس کے بارے میں بھی جناب وحید الدین خاں کا موقف مغالطہ آمیز بلکہ گمراہ کن ہے، جس پر تنقید کی جاتی رہی۔ اس کتاب پر مسلمانوں کے ردعمل کے بارے میں آپ لکھتے ہیں کہ

"ازواجِ مطہرات کے خلاف جو بے ہودہ باتیں سلمان رشدی نے لکھی ہیں، اس کا مصنفِ اوّل عبد اللہ بن ابی تھا، مگر پیغمبر اسلام ﷺ نے اصرار کے باوجود اس کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔"[2] "اینٹی رشدی ایجی ٹیشن (رشدی کے خلاف احتجاج) بلاشبہ لغویت کی حد تک غیر اسلامی تھا۔" (ص ۶)

"مسلمانوں کے جذبات مجروح ہونا اسلام کے قانون جرائم کی کوئی دفعہ نہیں ہے۔ مسلمان اس کے خلاف کوئی کاروائی کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس کو قومی سرکشی کے نام پر کر سکتے ہیں۔ مگر اسلام کے نام پر انہیں ایسا کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔" (ص ۵۳)

پھر جب ڈنمارک اور یورپ کے اخباروں میں رسالت مآب ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنائے گئے اور حرمین سمیت پورے دنیا کے مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا تو خان صاحب نے عجیب مضحکہ خیز موقف اختیار کیا، لکھتے ہیں:

"مذکورہ کارٹون کی حیثیت تو ایک صحافتی جوک (لطیفہ) کی تھی۔ اس قسم کا جوک موجودہ صحافت میں عام ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اس کے ردّ عمل میں جس طرح نفرت اور

---

۱ ایضاً: ص ۵، ۴

۲ 'دشنام رسول کا مسئلہ' از وحید الدین خاں: ص ۳۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

تشدد کا مظاہرہ کیا، وہ بلاشبہ توہین رسالت کا ایک فعل تھا...

موجودہ زمانہ آزادی اظہار رائے کا زمانہ ہے۔ ایسے زمانے میں کارٹون جیسے مسئلہ پر ہنگامہ کھڑا کرنا، یقینی طور پر یہ تاثر پیدا کرے گا، کہ اسلام آزادی اظہار کے خلاف ہے۔[1]

'مولانا' وحید الدین خاں کا تصور جہاد بھی گمراہ کن ہے، لکھتے ہیں:

"اسلام میں صرف دفاعی جنگ جائز ہے اور اس کا اختیار بھی صرف حاکم وقت کو حاصل ہوتا ہے۔"[2]

"یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آج کی دنیا میں وائلنٹ ایکٹوازم (پر تشدد حرکیت) منسوخ ہو گیا ہے، اور اس کی جگہ پیس فل ایکٹوازم (پر امن حرکیت) نے لے لی ہے۔ اب پیس فلم ایکٹوازم کے تحت ہر قسم کی سرگرمیوں کا حق انسان کو مل چکا ہے۔"[3]

اسلام کے تصور امن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مثبت سوچ پر قائم رہنے کا ایک ہی فارمولا ہے اور وہ ہے یک طرفہ اخلاقیات، یعنی یک طرفہ طور پر دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ خواہ وہ اچھا سلوک کرتا ہو یا برا سلوک۔"[4]

"مسلمانوں کی جو سیاسی تاریخ بنی، اور ان کے یہاں جو لٹریچر تیار ہوا، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا ذہن یہ بنا کہ دشمن سے لڑو۔ اس کے برعکس مسیحی لوگوں کا ذہن ان کی روایات کے مطابق یہ بنا کہ دشمن سے محبت کرو۔ یہی نفسیات دونوں قوموں کے اندر عمومی طور پر پائی جاتی ہیں۔"[5]

"۸ / اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ نے افغانستان کے خلاف جو کاروائی کی، وہ انٹرنیشنل نارم (بین الاقوامی اخلاقیات) کے مطابق درست تھی۔ کیونکہ وہ ڈیفنس کے طور پر کی گئی

---

۱ ماہنامہ الرسالہ، نئی دہلی: ستمبر ۲۰۱۱ء، ص ۴۴

۲ ماہنامہ الرسالہ: مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۴

۳ ماہنامہ الرسالہ: اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص ۱۵

۴ ماہنامہ الرسالہ: جون ۲۰۱۱ء، ص ۲۴

۵ ماہنامہ الرسالہ: جنوری ۲۰۱۰ء، ص ۲۹

تھی۔ اس کے باوجود ایسا ہوا کہ دنیا بھر میں امریکہ کو برا کہا جانے لگا۔"[1]

"امریکہ کا یہ آپریشن اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک خدائی آپریشن تھا۔ اس نے ان تمام طاقتوں کو زیر کر دیا جو امن اور دعوت کے مشن کے خلاف محاذ بنائے ہوئے تھے۔"[2]

مذکورہ بالا اقتباسات سے جناب وحید الدین کی فکری گمراہیاں اور طرزِ فکر بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ یہ اقتباسات اس کتاب میں مذکور تحقیقات کی ایک جھلک ہیں۔ اس کتاب میں مولانا وحید الدین خان صاحب کی تحریروں کی روشنی میں ان کی شخصیت کا جو تجزیہ پیش کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خان صاحب بدنیت یا اسلام دشمن یا یہودی ایجنٹ تو نہیں ہیں جیسا کہ اُن کے بعض ناقدین کی رائے ہے۔ تاہم اُن کے نفسیاتی پرابلم ہیں جنہوں نے اُنہیں تخیلات کی اِس دنیا (fantasy and delusion) تک پہنچایا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا میں ایک نہیں بلکہ دنیا کی ہزار سالہ تاریخ میں ایک شمار کر رہے ہیں۔ اِس تجزیے کے مطابق اُن کے غیر متوازن اور مسلم اُمّہ کے بارے عدم برداشت کے رویوں کے جواب میں غصّہ کرنے کی بجائے ان کی نفسیاتی کیفیت کو سمجھنا چاہیے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مریض سے نفرت نہیں کی جاتی، تاہم اس سے رہنمائی بھی نہیں لی جاتی اور اس کو فکری قیادت کے حساس منصب پر بھی فائز نہیں کیا جاتا۔

نوٹ: مذکورہ بالا کتاب 'مولانا وحید الدین خان: افکار و نظریات' کی سافٹ کاپی محدث آن لائن لائبریری میں موجود ہے اور درج ذیل لنک سے ڈاؤن لوڈ کی جا سکتی ہے:
http://kitabosunnat.com/kutub-library/molana-waheed-ud-deen-khan-afkar-w-nazriyat.html

---

۱ ماہنامہ الرسالہ: جولائی ۲۰۰۷ء، ص ۳۱،۳۰

۲ ماہنامہ الرسالہ: جولائی ۲۰۱۰ء، ص ۲۶

مولانا زاہد الراشدی

دولتِ فاطمیہ کی واپسی کی کوششیں

اسلام آباد کے دھرنوں کے اثرات پاکستان اور اس خطے پر کیا مرتب ہوتے ہیں، یہ جاننے کے لیے ابھی مزید انتظار کرنا ہو گا، لیکن یمن کے دار الحکومت صنعا کے گرد حوثی قبائل کا ایک ماہ سے زیادہ جاری رہنے والا دھرنا کامیاب ہو گیا ہے اور ۱۷ر اگست سے شروع ہونے والے دھرنے کو ۲۱ر ستمبر کے روز اقوامِ متحدہ کے ایلچی جمال بن عمر کی نگرانی میں ہونے والے اس معاہدے نے تکمیل تک پہنچا دیا ہے کہ حکومت مستعفی ہو جائے گی اور اس کی جگہ ٹیکنو کریٹ حکومت قائم ہو گی۔ چند سال قبل 'عرب بہار' کی عوامی یلغار کے بعد علی عبد اللہ صالح کا تین عشروں سے زیادہ عرصہ پر محیط دورِ اقتدار ختم ہونے پر عبدِ ربہ منصور ہادی کی سربراہی میں نئی حکومت قائم کی گئی تھی، جسے حوثی قبائل کی مسلسل اور مسلح یلغار کے باعث مذکورہ معاہدہ کرنا پڑ گیا ہے اور اب یمنی عوام نئی ٹیکنو کریٹ حکومت کی تشکیل کے انتظار میں ہیں۔

حوثی قبائل شمالی یمن میں اکثریت رکھتے ہیں اور یمن کی اڑھائی کروڑ آبادی کا تیس فیصد ہیں۔ حوثی قبائل زیدی شیعہ ہیں، جبکہ باقی ستّر فیصد آبادی اہل سنّت شافعی فقہ سے تعلّق رکھتی ہے۔ زیدی خود کو حضرت زین العابدین کے فرزند حضرت زید کے پیروکار کہتے ہیں اور تب سے اپنا مُستقل مذہبی تشخص رکھتے ہیں۔ ماضی میں یمن میں زیادہ تر انہی کی حکومت رہی ہے۔ زیدی کہلاتے تو شیعہ ہیں لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر نہیں کرتے، بلکہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کو بھی جائز مانتے ہیں، البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کی خلافت بھی جائز ہوتی ہے، باقی معاملات میں وہ اہلسنّت اور اہل تشیع کے درمیان ملے جلے عقائد واحکام رکھتے ہیں، جبکہ ایران کے دستور میں جہاں اثنا عشری مذہب کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے، وہاں زیدیوں کو حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مذاہب کے ساتھ اقلیتی مذاہب شمار کیا گیا ہے۔

یمن میں عبدربہ منصور ہادی کی حکومت کے خلاف جس میں اخوان سمیت بہت سی

جماعتیں شریک ہیں، حوثیوں کی اس مسلح بغاوت میں ایران کی کھلی اور بھرپور سرپرستی حاصل ہے، حتیٰ کہ یمن کے دار الحکومت صنعا کے محاصرے میں حوثیوں کی مذکورہ کامیابی کے بعد تہران سے ایرانی پارلیمنٹ کے رکن علی رضا زاکانی نے یہ کہا ہے کہ ایران کو تین عرب دار الحکومتوں بغداد، دمشق اور بیروت کے بعد چوتھے دار الحکومت صنعا پر بھی اختیار حاصل ہو گیا ہے اور اس طرح عرب دنیا میں ایرانی اثر ورسوخ نے ایک نیا رخ اور نئی طاقت حاصل کر لی ہے، جس پر کویت کے معروف سنّی دانشور ڈاکٹر عبد اللہ نفیسی نے حوثیوں کی یلغار کو 'صفوی یلغار' قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا راستہ روکنا صرف یمن کا نہیں، بلکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا دفاع بھی ہو گا۔

ہم ایک عرصے سے گزارش کر رہے ہیں کہ مشرقِ وسطیٰ میں 'دولتِ فاطمیہ' کی واپسی کی راہ ہموار کی جا رہی ہے اور اس سلسلے میں ہر آنے والا دن گزشتہ دن سے زیادہ تشویش ناک ثابت ہو رہا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ توجہ کے قابل بات یہ ہے کہ شام کے علوی، یمن کے زیدی اور ایران کے اثنا عشری باہمی اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک صف میں محاذ آرا ہیں، حالانکہ ان کے درمیان بنیادی عقائد کے اختلافات اس حد تک موجود ہیں کہ عام حالات میں وہ ایک دوسرے کو اپنے ساتھ شمار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے لیکن مشرقِ وسطیٰ میں اور خاص طور پر حرمین شریفین کے گرد تسلط قائم کرنے کے لیے وہ پوری طرح متحد اور ایک دوسرے کے معاون ہیں، جبکہ دوسری طرف سعودی عرب کے سلفی اور مصر کے شافعی باہم مل بیٹھنے کو تیار نہیں ہیں اور پاکستان کے اہل سنّت کو تو ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کے محبوب مشغلہ سے ہی فرصت نہیں ہے۔

یمن میں اقوامِ متحدہ کی زیر نگرانی حوثیوں اور یمنی حکومت کے درمیان طے پانے والے مذکورہ معاہدے کو عرب دنیا کے دانشوروں میں 'سقوطِ یمن' سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور اس معاہدے کے اگلے روز حوثیوں نے جو جشن منایا ہے، وہ اس سلسلے میں انکے مستقبل کے عزائم کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کی یہ سنّی شیعہ خانہ جنگی جواب وسیع تر خانہ جنگی کا روپ دھار چکی ہے، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ارد گرد بلکہ اندر بھی اپنے اثر ورسوخ کے دائرے بڑھاتی جا رہی ہے، جسے دیکھنے کے لیے محدود ذہنی خولوں سے باہر نکل کر کھلی نظر سے ماحول کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور اسے ہم نے اپنے لیے 'شجرِ ممنوعہ' کا درجہ دے رکھا ہے۔ مگر کیا شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دے کو ہم خود کو آنیوالے طوفان سے محفوظ رکھ سکیں گے؟

CPL No. 49
Vol. 46 No.4
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

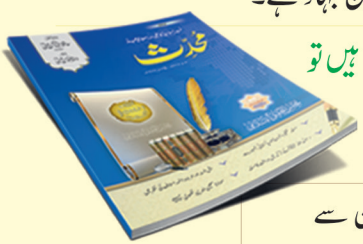

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۶۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے